www.urducouncil.nic.in

اپریل 2016، قیمت:-/10₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

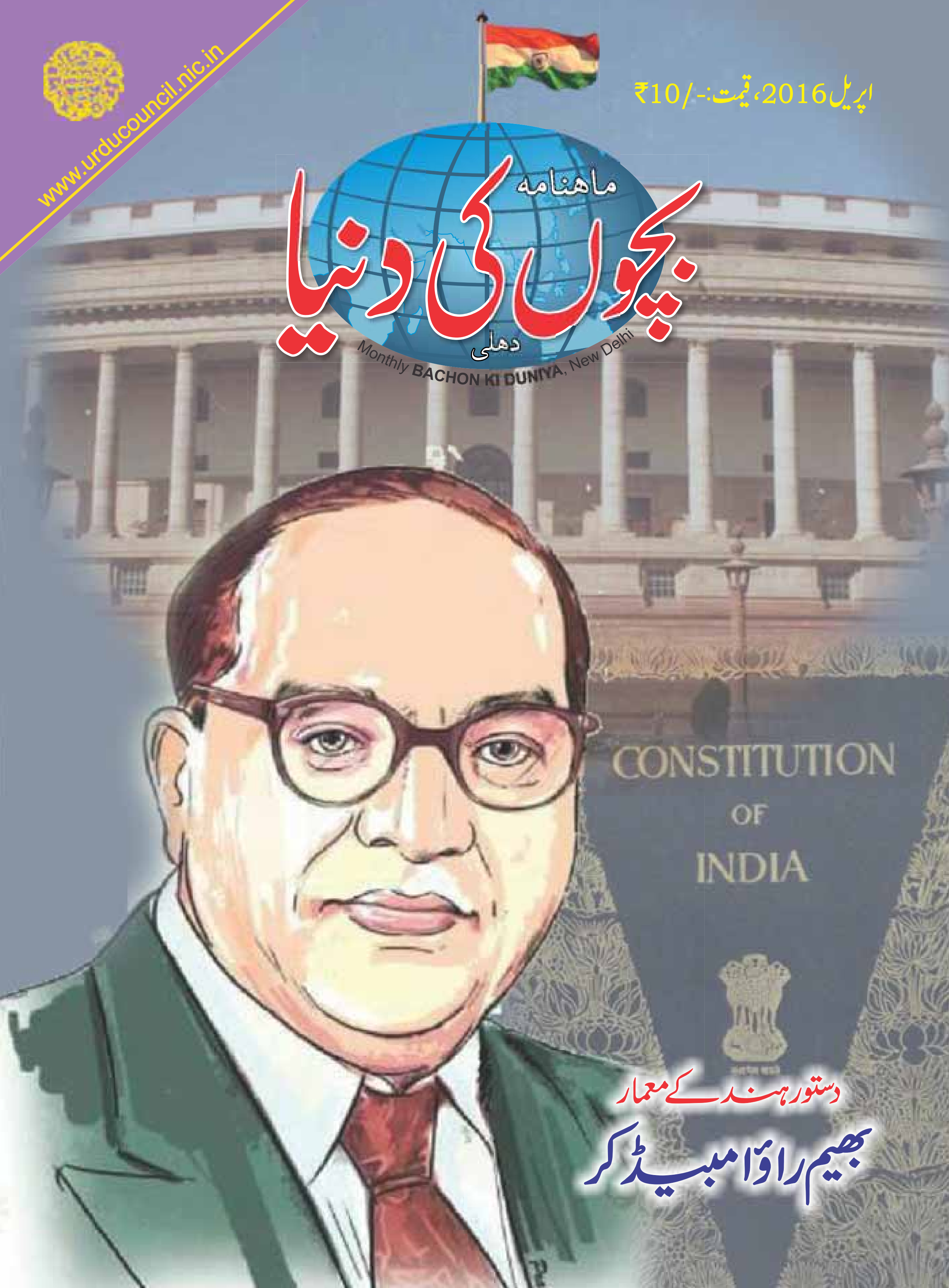

دستور ہند کے معمار

بھیم راؤ امبیڈکر

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

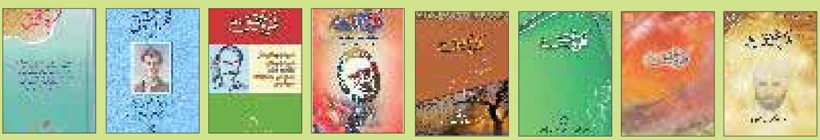

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 4 شمارہ: 4 اپریل 2016

مدیر : پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارتِ ترقی انسانی وسائل ۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی- 110025

فون: 49539000

شعبہ ادارت: 11-49539009

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت : /10 روپے، سالانہ /100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی- 110066

فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد- 500002

فون: 24415194-040

اس شمارے میں

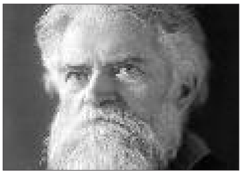

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ	ادارہ	05
اسبیڈکر کا 125واں سال ولادت	دلتوں کے مسیحا: ڈاکٹر امبیڈکر	وکیل نجیب	07
	ڈاکٹر امبیڈکر کا بچپن	جاوید احمد کامٹوی	15
	بھیم کا صبر	ارشد ندیم	19
	ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کے زریں اقوال		21
کھیل اور کھلاڑی	ٹی 20 عالمی کپ	اے این شبلی	23
نظمیں	مچھلی	رئیس الدین رئیس	26
	چہرہ دادی کا	شکیل سہسرامی	27
ڈراما	وعدہ	رئیس صدیقی	28
نظمیں	پیڑ پودے	فراق جلال پوری	34
	کمپیوٹر رانی	شبیر اصغر	35
کہانیاں	آنسو بنے موتی	کوثر منیر	36
	چھوٹی سی نادانی	عادل حیات	39
	پہلی پرواز	زیبا فاروقی	43
سائنس کی الف لیلہ	ایک کیمیاداں نے۔۔	سکٹف اور سکٹف	45
کہکشاں	چمن چمن کے پھول	ادارہ	49
	ماں	محمد ثاقب منیار	51
	اچھی باتیں	ندا محمد سلام رنگ ریز	51
	وقت	قاضی اکرام الدین	52
	جے پور کے کچھ مشہور و اہم سیاحتی مقامات		54
	اردو کے کچھ اہم ادبا و شعرا		56
	ہنسی کے غبارے		57
ننھے فنکار	سچی اولاد	تطہین	58
	بچوں کی پینٹنگ		60
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62

آپس کی باتیں

دوستو! آپ میں سے بہتوں کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان کا آئین ڈاکٹر بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر نے مرتب کیا تھا جن کی پیدائش ماہ اپریل کی 14 تاریخ کو 1891 میں مدھیہ پردیش کے مہو میں ہوئی تھی۔ اسی مناسبت سے اپریل کے شمارے کو ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر سے منسوب کیا گیا ہے۔ حکومت ہند ان کا 125 واں سال ولادت منا رہی ہے۔ اِس سلسلے میں گذشتہ سال سے مختلف تقریبات کا سلسلہ جاری ہے۔

پیارے بچو! ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کے بارے میں آپ کو یہ بھی پتہ ہوگا کہ ان کی پیدائش پچھڑی ہوئی ذات میں ہوئی تھی اور انھیں اسکول میں امتیاز کا شکار بھی ہونا پڑتا تھا مگر انھوں نے اپنی تعلیم، جدوجہد اور لگن سے وہ مقام حاصل کر لیا کہ آج دنیا انھیں غریبوں، دلتوں، پچھڑوں اور پسماندہ طبقوں کے مسیحا کے طور پر ہی نہیں جانتی بلکہ آئینِ ہند کے معمار کی حیثیت سے ان کا مقام بہت بلند ہے۔ یہ ان کی قابلیت ہی تھی کہ قانون سازی جیسے مشکل کام کے لیے ان کا انتخاب کیا گیا اور انھوں نے ہندوستان کا آئین اس طور پر مرتب کیا کہ آج کوئی بھی ان پر انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

پیارے بچو! انھیں یہ مقام اس لیے حاصل ہوا تھا کہ بابا صاحب امبیڈکر نے سب سے زیادہ تعلیم پر توجہ دی تھی اور انھوں نے اپنی لگن کی وجہ سے کولمبیا اور لندن یونیورسٹی جیسی عظیم دانش گاہوں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھوں نے محسوس کیا کہ تعلیم ہی ہے جس کے ذریعے سماجی انصاف کی جنگ لڑی جا سکتی ہے اور استحصال کے شکنجے سے نجات بھی مل سکتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے پچھڑے طبقوں کو تعلیم کی طرف توجہ دلائی اور انھیں یہ احساس دلایا کہ تعلیم کے بغیر ان کا وجود محفوظ نہیں ہے۔ چنانچہ پسماندہ طبقات نے ان کے اس خیال کی قوت کو محسوس کیا اور آج وہ تعلیمی میدان میں زیادہ پسماندہ نہیں ہیں۔

بھیم راؤ امبیڈکر نے جس معاشرے میں آنکھیں کھولیں وہ ذات پات، برادری اور چھوا چھوت سے بھرا ہوا تھا۔ امبیڈکر صاحب نے نہ صرف سماج کی ترقی کے لیے تعلیم کو ضروری قرار دیا بلکہ وہ ابتدائی تعلیم کو ہر حال میں قومی ترقی کے لیے ضروری قرار دیتے تھے۔ انھوں نے تعلیم کے تعلق سے تمام طبقات کا خیال رکھا کیونکہ کسی بھی قوم اور ملک کی ترقی کا راز تعلیم میں پوشیدہ ہے۔ تعلیم ان کے لیے ایک ہتھیار کی طرح تھی جسے وہ استحصال کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے۔ انھیں اس مقصد میں کامیابی ملی اور انھوں نے تعلیم کی روشنی سے ان پسماندہ طبقات کے ذہنوں کو روشن کر دیا جو صدیوں سے اندھیروں میں غرق تھے۔

دوستو! بابا صاحب امبیڈکر کی زندگی ہمارے لیے سبق آموز ہے کہ انھوں نے مشکل حالات کے باوجود اپنے حوصلوں اور خوابوں کو بلند رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں ان کے خوابوں کی تعبیر ملی اور وہ ہندوستان کے تمام طبقوں کے لیے ایک ماڈل قرار پائے۔ انھوں نے سماج کے دبے کچلے طبقوں میں خود اعتمادی پیدا کی اور انھیں وہ راستہ دکھایا جس پر چل کر وہ آج کامیاب اور سرخرو ہیں۔

'بچوں کی دنیا' میں ہم نے کئی نئے معلوماتی کالم شروع کیے ہیں۔ اس کی خوب صورت ترتیب و آرائش پر بھی توجہ دی جا رہی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ 'بچوں کی دنیا' کا ہر شمارہ آپ کی پسند اور ذوق کے معیار پر پورا اترتا ہے پھر بھی ہم چاہتے ہیں کہ آپ 'بچوں کی دنیا' کے تعلق سے اپنی رائے سے نوازتے رہیں تاکہ ہم اسے خوب سے خوب تر بنانے میں کامیاب ہو سکیں!

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

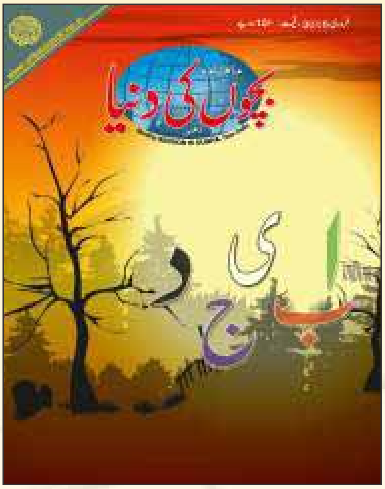

❑ سب سے پہلے تو آپ کو آپ کی پوری ٹیم کو بہت مبارکباد... کتنا عظیم اور عمدہ کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی صلاحیتوں میں اضافہ فرمائے آمین۔

ماہ فروری کا ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں صفحہ 58 پر واثق رحمٰن کا ایک مضمون 'فاختہ کا گھونسلہ' چھپا ہے۔اس میں چوتھی لائن میں ایک جملہ لکھا ہے: ''ہم سب چڑیوں کو دانا ڈالتے ہیں۔'' اس میں لفظ ''دانہ'' اس طرح آنا چاہیے۔ کیونکہ دانا ''عقلمند'' چالاک کے معنی میں آتا ہے۔ ایک غلط املے والے لفظ کی وجہ سے کتنے سارے بچوں کے ذہنوں پر اثر پڑے گا۔

نوشاد علی، کرلا، بمبئی

❑ 'بچوں کی دنیا' نے اپنی آمد کے ساتھ ہی ایک دھماکہ کردیا۔ اسے دیکھتے ہی بچوں سے پہلے بڑوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ رسائل و جرائد کی دنیا میں وہ آفتابِ نصف النہار ثابت ہوا۔ یہاں ''آب آید تبسم ندارد'' والی مثل صادق آگئی۔ اس کی چکاچوندھ آج بھی اپنے پورے شباب پر ہے۔

غفار قادر، پربھنی مہاراشٹر

❑ میں نے بچوں کے ادب پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ دورانِ تحقیق مجھے بچوں کے لیے کہانیاں لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ میں نے اپنے مقالہ میں 'بچوں کی دنیا' کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ بچوں کے ادب کی جدید تاریخ میں 'بچوں کی دنیا' کو ایک سنگ میل کی حیثیت سے یاد رکھا جائے گا۔ 'بچوں کی دنیا' کا اجرا ماہ نامہ 'کھلونا' اور پھول جیسے رسالوں کا نعم البدل ثابت ہورہا ہے، امید ہے کہ 'بچوں کی دنیا' کی اشاعت نئی صدی میں بچوں کے ادب میں انقلاب آفریں قدم ثابت ہوگا۔ 2013 سے لے کر اب تک کا ہر شمارہ کافی وقیع اہم، معلوماتی اور دل چسپ و دل کش تحریروں پر مشتمل ہے اور نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی اردو ادب کے روشن مستقبل کی طرف بڑھتا قدم ہے جس کے لیے آپ کا تمام عملہ اور ادارہ لائقِ تحسین و توصیف ہے۔

سید اسرار الحق، فلیٹ نمبر 6218، جانا پریا مہانگر، میرپٹ، حیدرآباد

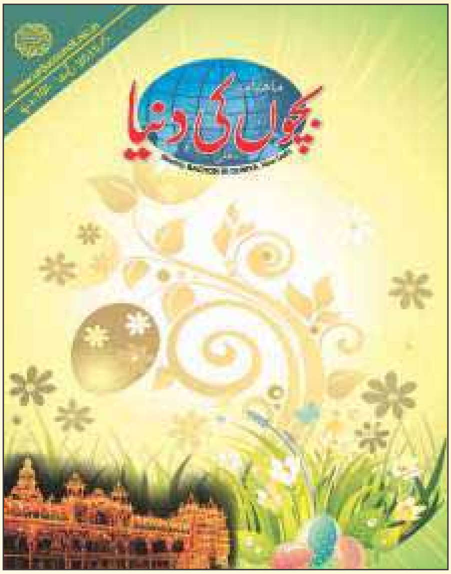

❑ 22 جنوری 2016 کی ڈاک سے 'بچوں کی دنیا' فروری 2016 کا شمارہ ملا۔ آپ کا شکریہ ادا کرنا تو مجھ پر واجب ہو گیا ہے۔ یقین جانیے کہ 'بچوں کی دنیا' پا کر میں لمحہ بھر میں اپنے بچپن میں پہنچ جاتا ہوں اور پھر آپ کے رسالے 'بچوں کی دنیا' کا اسی شوق و ذوق سے مطالعہ کرتا ہوں جس طرح اپنے بچپن میں کرتا تھا۔

سید معراج جامی، کراچی

❑ یہ رسالہ میرے نواسوں نواسیوں کو بے حد و بے انتہا پسند آتا ہے۔ میرے لیے بہر کیف یہ رسالہ کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔

سرفراز خان، پوسٹ بارگاؤں، اکولہ، مہاراشٹر

❑ ناچیز آپ کے رسالہ کا نیا قاری ہے پہلی نظر میں رسالہ نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ حیدرآباد میں جاری 19ویں قومی کتب میلہ میں اسے پا کر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔ رسالہ میں بچوں کی نفسیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے نگارشات کو ترتیب دیا گیا ہے۔ موضوع کے انتخاب کے ساتھ تصاویر کی پیش کش لاجواب ہے۔ اللہ سے یہ ہی دعا ہے کہ یہ رسالہ ہر بچے کی پہچان بنے۔

محمد منیر

❑ دسمبر 2015 کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ تمام مضامین بے حد پسند آئے۔ میں پچھلے دو سالوں سے 'بچوں کی دنیا' کا قاری ہوں۔ بچوں کا یہ رسالہ بڑوں کے لیے بھی معلومات اور تفریح کا منبع ہے۔ اردو زبان کی بقا اور اشاعت کے لیے آپ کی انتھک کوششیں قابل تعریف ہیں۔ آپ کی زیر ادارت نکلنے والا یہ ماہنامہ قومی یک جہتی کی بہترین مثال ہے۔

محمد عتیق، ملت نگر دیگلور، ناکہ ناندیڑ، مہاراشٹر

❑ آپ کا رسالہ برابر مطالعہ میں رہتا ہے جس میں بچوں کے معیار کے عین مطابق نثری و منظوم مواد شامل رہتا ہے۔ پیارے نبیؐ عنوان سے جناب شہاب الدین قاسمی کا مضمون بہت اچھا ہے۔ فیض احمد کا مضمون ٹیپو سلطان کے حوالے سے اچھا اور معلوماتی ہے۔ اداریہ آپس کی باتیں فکر انگیز اور متاثر کرنے والا ہے۔

صادق علی انصاری، نشیمن، 198-A، شیخ سرائے، سیتاپور، یوپی

■ وکیل نجیب

دلتوں کے مسیحا: ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر

دنیا میں کچھ ایسی ہستیاں پیدا ہوئی ہیں جنھوں نے اپنی کوششوں سے پورے سماج کو یکسر تبدیل کر دیا۔ برائیوں کو ختم کیا اور اچھائیوں کا پرچار کیا۔ ایسے ہی لوگوں میں بھارت میں پیدا ہونے والے بھارت رتن شری بابا صاحب امبیڈکر جی ہیں۔

بابا صاحب کا جنم 14 اپریل 1891 کو مدھیہ پردیش کے ضلع اندور کے ایک گاؤں مہو میں ہوا۔ آپ کے والد صوبیدار رام جی راؤ انگریزوں کی فوج میں صوبیدار میجر تھے۔ رام جی راؤ رتنا گری کے امباڑے گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ملازمت سے سبکدوشی (Retirement) کے بعد صوبیدار رام جی راؤ ممبئی آ کر رہنے لگے۔ بابا صاحب کی عمر جب 5 سال کی ہوئی تو ان کی والدہ بھیما بائی کا انتقال ہو گیا۔

بابا صاحب امبیڈکر کے پتا جی کو تعلیم کی اہمیت معلوم تھی۔ فوج میں رہتے ہوئے انھیں اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ کوئی بھی شخص یا سماج تعلیم حاصل کیے بنا ترقی نہیں کر سکتا اسی لیے جب بھیم راؤ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو وہ اسے داخلہ دلانے ایک اسکول میں لے گئے۔ وہاں کے پرنسپل ایک برہمن تھے جب انھیں بھیم راؤ کی ذات کا پتہ چلا تو انھیں اس اسکول میں داخلہ دینے سے انکار کر دیا گیا۔ رام

جی راؤ نے ہمت نہیں ہاری وہ اپنے بیٹے کو ایک انگریز کے اسکول میں لے گئے جہاں انھیں کڑی شرطوں پر داخلہ دیا گیا۔

اس زمانے میں رام جی راؤ کو پچاس روپئے پینشن ملا کرتی تھی اسی میں انھوں نے گھر کے اخراجات پورے کیے اور زیادہ سے زیادہ توجہ اپنے بیٹے کی تعلیم کی طرف دی۔

بھیم راؤ نے بھی چھوا چھوت سے متاثر ماحول میں اپنی تعلیم جاری رکھی۔ انھیں پرائمری اسکول اور ہائی اسکول میں ان کی ذات کی وجہ سے کئی بار ذلیل کیا گیا لیکن وہ تعلیم حاصل کرنے سے پیچھے نہیں ہٹے۔ اپنی سخت محنت کی وجہ سے 1907 میں بھیم راؤ نے میٹرک امتحان پاس کرلیا۔ اس زمانے میں کسی دلت ذات کے لڑکے کا میٹرک پاس ہونا ایک بہت بڑی بات تھی۔ پورے دلت سماج نے اس کامیابی پر ایک جلسہ منعقد کیا سماج کے سارے لوگوں میں بڑا جوش تھا۔ اس جلسے میں اسکول کے صدر مدرس ''شری کرشن ارجن کیلوس کر'' بھی آئے وہ ایک سماج سیوک تھے انھوں نے بھیم راؤ کو مبارکباد دی۔ لوگوں کو تعلیم کی اہمیت بتائی اور بھیم راؤ کو مہاتما بدھ کی سوانح حیات پر مبنی کتاب تحفہ میں دی اس وقت بھیم راؤ کے والد نے عہد کیا کہ وہ اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔ 17 سال کی عمر میں 9 سال کی لڑکی رمابائی سے ان کی شادی کردی گئی۔

میٹرک پاس کرنے کے بعد بھیم راؤ نے ممبئی کے ایلفنسٹن کالج میں داخلہ لیا۔ اس وقت تعلیم حاصل کرنا آسان کام نہیں تھا پیسوں کی تنگی کی وجہ سے بھیم راؤ کی تعلیم کا سلسلہ ٹوٹ سکتا تھا ایسے وقت میں بھیم راؤ کی ہائی اسکول کے صدر مدرس کرشنا جی ارجن کیلوس کر نے ان کی مدد کی اور ریاست بڑودہ کے مہاراجہ کی سرکار سے 25 روپے مہینے کا وظیفہ جاری کروا دیا۔ ساری نفرتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے 1912 میں بھیم راؤ نے فارسی اور انگریزی مضامین میں بی اے کی سند حاصل کی۔ پورے ملک میں وہ دلت سماج کے پہلے گریجویٹ بن گئے۔

انھیں دنوں 1913 میں بھیم راؤ کے والد کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ بھیم راؤ تعلیم کا سلسلہ چھوڑ کر بڑودہ کی فوج میں لیفٹیننٹ کی حیثیت سے بھرتی ہوگئے لیکن اس ملازمت کے پندرہ دن بعد ہی 12 فروری 1913 میں ان کے پتاجی کا انتقال ہوگیا۔ بھیم راؤ جی کے من میں اعلیٰ تعلیم کی لگن تھی انھیں دنوں کچھ اچھے ذہین طالب علموں

بھیم راؤ امبیڈکر اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ

گول میز کانفرنس میں بابا صاحب کے ذریعے پیش کی گئی سفارشات کو انگریز سرکار نے منظور کیا اور ہندوستان کے وہ علاقے جہاں دلتوں کی آبادی زیادہ تھی وہاں دلتوں کو اپنا نمائندہ منتخب کرنے کا حق دیا گیا۔ اس سے ہندوستان میں پہلی بار دلتوں کو ووٹ دینے کے ساتھ ہی اپنی قوم کا ممبر چننے کا حق ملا یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔

کو تعلیم دلوانے کے لیے بڑودہ کے مہاراجہ نے وظیفہ دینے کا اعلان کیا۔ اس میں بھیم راؤ کو چن لیا گیا اور انھیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے جولائی 1913 میں امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا۔ سخت محنت کر کے بھیم راؤ جی نے امریکہ سے 1915 میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کر لی۔

وہیں انھوں نے National Dividend of India پر ریسرچ کیا اور اپنے ریسرچ ورک (Thesis) کو یونیورسٹی میں پیش کیا جس پر انھیں ڈاکٹر آف فلاسفی (Ph.D) کی ڈگری دی گئی۔ اس طرح بھیم راؤ امبیڈکر ڈاکٹر امبیڈکر بن گئے۔

دلت سماج میں یہ ڈگری پانے والے وہ پہلے شخص تھے۔ تعلیم میں اور زیادہ ڈگریاں پانے کی لگن ان کے دل میں مچل رہی تھی اس لیے وہ 1916 میں امریکہ سے لندن چلے آئے۔ یہاں پر ڈاکٹر امبیڈکر نے ڈاکٹر آف سائنس (DSc) پر ریسرچ کا کام شروع کیا۔

یہاں بڑودہ حکومت میں کام کرنے والوں کو یہ بات کھٹک رہی تھی کہ دلت سماج کا ایک لڑکا سرکاری خرچ پر اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ بڑودہ کے مہاراجہ کو ان لوگوں نے یہ بات بتائی کہ بھیم راؤ کے وظیفہ کی مدت ختم ہو چکی ہے۔ تعلیم بھی مکمل ہو چکی ہے لہٰذا ڈاکٹر بابا صاحب کو واپس بلوا لیا جائے وہ اپنے ریسرچ کا کام ادھورا چھوڑ کر 21 اگست 1917 کو بھارت واپس آ گئے۔

بعد میں وہ ممبئی واپس آ گئے اور ''میڈیم ہیم کالج'' میں معاشیات کے پروفیسر کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس کالج میں معاشیات پر ان کی تعلیم کی ایسی دھوم مچی کہ دوسرے کالج کے طلبا

ان کا لیکچر سننے کے لیے آیا کرتے تھے۔

دلتوں کے سدھار کے لیے 1919 میں انھوں نے کولھا پور کے مہاراجہ چھترپتی شاہو جی کی مدد سے ایک اخبار 'لوک نائک' (گونگوں کا رہنما) جاری کیا۔

1920 میں ڈاکٹر امبیڈکر نے پروفیسر کی ملازمت چھوڑ دی اور اپنی جمع شدہ رقم، کولھا پور کے مہاراجہ کی مالی مدد اور قرض لے کر مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے لندن روانہ ہو گئے۔ اس بار انھوں نے قانون اور معاشیات کی تعلیم حاصل کی۔ تین سال انگلینڈ میں رہ کر انھوں نے ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگری حاصل کی اور بیرسٹر بن کر ہندوستان واپس آ گئے یہاں ہزارہا مخالفتوں کے باوجود انھوں نے وکالت شروع کر دی اور اس میں انھیں پیسہ بھی ملا۔ عزت بھی ملی اور شہرت بھی ملی۔

1924 میں بابا صاحب نے 'سمتا سینک دل'' کی بنیاد ڈالی اور بودھ دھرم کو پھیلانے کا کام شروع کر دیا۔ 1927 میں ودھان پریشد کے رکن بنے اور ٹیکس کے تعلق سے بہت سی تبدیلیاں کرنے کا سرکار کو سجھاؤ دیا۔ اس دوران دلتوں کو ان کا حق دلانے کے لیے لگا تار کوشش کرتے رہے اور انھیں اس میں دھیرے دھیرے کامیابی ملنی شروع ہو گئی۔

19 اور 20 مارچ 1927 کو بابا صاحب نے مہاڈ نامی گاؤں میں دلتوں کا ایک بڑا جلسہ لیا جس میں ہزاروں دلت لوگ شامل ہوئے۔ اس جلسے میں بابا صاحب نے اپنی قوم کے لوگوں کو نیچ کام کرنے سے منع کیا وہیں گاؤں میں 'چودار' تالاب تھا جہاں سے دلتوں کو پانی پینے نہیں دیا جاتا تھا بابا

19 او ر20 مارچ 1927 کو بابا صاحب نے مہاڈ نامی گائوں میں دلتوں کا ایک بڑا جلسہ لیا جس میں ہزاروں دلت لوگ شامل ہوئے۔ اس جلسے میں بابا صاحب نے اپنی قوم کے لوگوں کو نیچ کام کرنے سے منع کیا وھیں گائوں میں 'چودار' تالاب تھا جھاں سے دلتوں کوپانی پینے نھیں دیا جاتا تھا بابا صاحب نے خود پانی پیا اور اپنے لوگوں کو اس تالاب کا پانی پینے کو کھا۔ سیکڑوں دلتوں نے اس تالاب کا پانی پیا یہ بابا صاحب کا ایک انقلابی قدم تھا جس کی وجہ سے دلتوں کے حوصلے بڑھے اور ھمت میں بھت اضافہ ھوا۔

صاحب نے خود پانی پیا اور اپنے لوگوں کو اس تالاب کا پانی پینے کو کہا۔ سیکڑوں دلتوں نے اس تالاب کا پانی پیا یہ بابا صاحب کا ایک انقلابی قدم تھا جس کی وجہ سے دلتوں کے حوصلے بڑھے اور ہمت میں بہت اضافہ ہوا۔

1928-29 میں انگلینڈ سے ہندوستان کے انتظامی امور میں سدھار کی غرض سے 7 ممبران پر مشتمل ایک کمیشن بھارت آیا۔ اس کے صدر سر سائمن تھے اس کمیشن کو سائمن کمیشن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کمیشن کے سامنے بابا صاحب نے دلتوں کو تمام ہندوستانیوں جیسے حقوق دلانے کی بات رکھی۔ ودھان سبھا کی 180 سیٹوں میں سے 22 سیٹیں دلتوں کے لیے مختص (Reserve) کرنے کی بات رکھی اسی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ مختلف سرکاری نوکریوں میں دلتوں کا کوٹہ مقرر کیا جائے۔

1920 میں انگلینڈ میں گول میز کانفرنس کے دوران بابا صاحب امبیڈکر نے بھارت کے دلتوں کی حالت بتائی اور ان کے سدھار کے لیے زوردار آواز اٹھائی۔ اس کانفرنس میں ڈاکٹر صاحب کی تقریروں سے انگریز حکمراں کو بھارت کے دلتوں کی بگڑی ہوئی حالت کا اندازہ ہوا اور وہ ان کی ترقی کے لیے قانون بنانے کو تیار ہو گئے۔ بابا صاحب کی تقریروں سے خوش ہو کر بڑودہ کے مہاراجہ نے ان کا قرض معاف کر دیا۔

گول میز کانفرنس میں بابا صاحب کے ذریعے پیش کی گئی سفارشات کو انگریز سرکار نے منظور کیا اور ہندوستان کے وہ علاقے جہاں دلتوں کی آبادی زیادہ تھی وہاں دلتوں کو اپنا نمائندہ منتخب کرنے کا حق دیا گیا۔ اس سے ہندوستان میں پہلی بار دلتوں کو ووٹ دینے کے ساتھ ہی اپنی قوم کا ممبر چننے کا

حق ملا یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔

27 مئی 1935 کو ان کی بیوی رما بائی کا دیہانت ہو گیا۔ امبیڈکر جی کے تین بچے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے بیوی کی موت کا انھیں زبردست صدمہ ہوا۔ اس صدمہ کی وجہ سے بابا صاحب نے اپنے بال منڈوا لیے اور فقیری لباس پہن لیا۔ ہاتھ میں ڈنڈا لے کر چلنے لگے کافی دنوں تک وہ اسی حال میں رہے۔ انھیں فقیری حلیے میں دیکھ کر لوگ انھیں بابا صاحب کہنے لگے۔

1935 میں سرکار نے انھیں 'سرکاری لاء کالج' کا پرنسپل مقرر کر دیا۔ انھیں چیف جسٹس بنانے کی پیش کش بھی کی گئی لیکن اس نوکری میں رہ کر وہ اپنی قوم کے لیے کوئی کام نہیں کر سکتے تھے اس لیے انھوں نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔

1924 میں بابا صاحب نے ’سمتا سینک دل‘‘ کی بنیاد ڈالی او ربودھ دھرم کو پھیلانے کا کام شروع کردیا۔ 1927 میں ودھان پریشد کے رکن بنے اور ٹیکس کے تعلق سے بہت سی تبدیلیاں کرنے کا سرکار کو سجھائو دیا۔

13 اکتوبر 1935 کو ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر نے دلتوں کا ایک بڑا جلسہ لیا اس میں انھوں نے اپنا دھرم بدلنے کی بات کہی۔ 1936 میں بابا صاحب نے لیبر پارٹی (Labour Party) قائم کی اور اس کی جانب سے ودھان سبھا کے چناؤ میں اپنے 17 امیدوار کھڑے کیے جن میں سے 13 امیدواروں کی جیت ہوئی۔ اس موقع پر انھوں نے مزدوروں، کسانوں و دیگر نچلے طبقوں کے حق کے لیے ودھان سبھا میں آواز اٹھائی۔ ان کے مشورے پر ہندوستانی فوج میں ’مہار بٹالین‘ کا قیام عمل میں آیا جس میں صرف دلت جاتی کے لوگ ہی ہوا کرتے تھے۔

1942 میں ہندوستان کے وائسرائے نے بابا صاحب کو اپنی قانون ساز قونسل میں شامل کرلیا اور انھیں مزدوروں کے کام کاج کے دیکھ ریکھ کی ذمہ داری سونپی۔ اس سال کئی علاقوں میں باڑھ کی وجہ سے شدید نقصان ہوا تھا۔ ایسے وقت میں بابا صاحب نے 1943 میں ندیوں پر باندھ باندھنے کا مشورہ دیا اور ان کی کوششوں سے دامودر ویلی ڈیم، مہاندی ڈیم، ہیرا کنڈ ڈیم، سون گھاٹی باندھ تیار کرایا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے ہندوستان کو آزاد کرنے کا من بنا لیا تھا۔ کانگریس پارٹی نے آزاد ہندوستان کا دستور العمل (Constitution) بنانے کے لیے ایک سات رکنی کمیٹی بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کمیٹی کی رکنیت کا فارم بابا صاحب امبیڈکر نے بھی بھرا اور بنگال سے اپنی

امیدواری طے کی۔ بنگال کے دلتوں کے علاوہ پنجاب کے ہزاروں دلت بنگال پہنچ گئے اور بابا صاحب کو کثرت سے ووٹ ملے اس طرح 20 جولائی 1946 کو وہ دستورالعمل کمیٹی کے رکن چن لیے گئے۔ 15 اگست 1947 کو بھارت آزاد ہوا اور 30 اگست 1947 کو بابا صاحب کو دستورالعمل کمیٹی کی ڈرافٹنگ کمیٹی کا صدر منتخب کرلیا گیا۔ اس کمیٹی کے اراکین تھے۔

(1) باباصاحب امبیڈکر (صدر)
(2) الادی کرشنا سوامی اُئیر
(3) این گوپال سوامی آئین گر
(4) کے۔ایم۔منشی
(5) سید محمد سعداللہ
(6) بی ایل مشرا
(7) ڈی پی کھیتان

بابا صاحب کو چھوڑ کر اس کمیٹی کے دیگر چھ اراکین اپنی مصروفیات کی وجہ سے دستورالعمل کی تخلیق میں زیادہ وقت نہیں دے پاتے تھے۔ اس لیے بابا صاحب کو اکیلے ہی رات دن محنت کر کے یہ کام کرنا پڑتا تھا۔ چار سال کی انتھک محنت کے بعد بابا صاحب نے دستورالعمل کا مسودہ کانگریس کمیٹی

14 اکتوبر 1956 کو اپنے پیروکاروں کا ایک بہت بڑا جلسہ ناگپور میں کیا۔ جس میں پورے ملک سے لاکھوں کی تعداد میں دلت سماج کے لوگ جمع ہوئے۔ اس عظیم الشان جلسے میں بابا صاحب امبیڈکر نے اپنا پرانا ہندو مذہب چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ ہی جلسے میں موجود تین لاکھ دلتوں نے بھی ہندو مذہب کو چھوڑ کر بودھ دھرم اختیار کرلیا۔

کے سامنے بحث کے لیے پیش کیا جسے کچھ ردوبدل کے بعد پوری طرح منظور کرلیا گیا۔

بھارت میں تقسیم وطن کی وجہ سے جو فساد ہوا اس سے ملک کے حالات بہت خراب ہو چکے تھے۔ بگڑتے ہوئے حالات کو دیکھتے ہوئے بابا صاحب امبیڈکر کو بھارت کا وزیرقانون بنادیا گیا۔

بابا صاحب نے دنیا کے تمام مذاہب کا گہرا مطالعہ کیا اوراس نتیجے پر پہنچے کہ بودھ دھرم سب سے اچھا دھرم ہے اس لیے جیسا کہ وہ اپنا دھرم بدلنے کا اعلان کر چکے تھے انھوں نے 14 اکتوبر 1956 کو اپنے پیروکاروں کا ایک بہت بڑا جلسہ ناگپور میں کیا۔ جس میں پورے ملک سے لاکھوں کی تعداد میں دلت سماج کے لوگ جمع ہوئے۔ اس عظیم الشان جلسے میں بابا صاحب امبیڈکر نے اپنا پرانا ہندو مذہب چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ ہی جلسے میں موجود تین لاکھ دلتوں نے بھی ہندو مذہب کو چھوڑ کر بودھ دھرم اختیار کرلیا۔ دنیا میں مذہب بدلنے کا یہ سب سے بڑا واقعہ تھا کہ ایک ہی دن میں تقریباً تین لاکھ لوگوں نے اپنا مذہب تبدیل کیا تھا۔ یہ واقعہ گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں بھی درج ہوا۔ یہاں پر بابا صاحب نے اپنے لوگوں کو اچھے کام کرنے اور برے کاموں سے توبہ کرنے کی قسم دلائی۔

آخر کے دنوں میں بابا صاحب کو شوگر (Diabetes) کی بیماری ہوگئی تھی اس کی وجہ سے ان میں بہت کمزوری آگئی تھی پیروں میں سخت درد ہونے لگا وزن دن بہ دن کم ہونے لگا آخراسی بیماری میں 6 دسمبر 1956 کو دہلی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

اس طرح ہندوستان کے ایک سپوت نے اپنی انتھک محنت، مسلسل جدوجہد سے پورے ملک سے چھوا چھوت اور دلتوں سے نفرت کی روایت نہ صرف نیست ونابود کردی بلکہ وہ لوگ جو اونچی ذات کے لوگوں کے کنوئیں سے پانی نہیں پی سکتے تھے آج ہندوستان کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کی کوششوں سے صدیوں پرانی اس نفرت کا نام ونشان مٹ چکا ہے اور دبے کچلے لوگوں کے لیے ترقی کی نئی راہیں کھل گئی ہیں۔

■

Wakil Najeeb
Near Lal School, Momin Pura
Nagpur - 440018 (Maharashtra)

جاوید احمد کامٹوی

ڈاکٹر امبیڈکر کابچپن

14 اپریل 1891 میں مہو (مدھیہ پردیش) میں بھیما بائی سکپال کے یہاں ایک بچے نے جنم لیا۔ مہاروں (پچھڑی ذات) کے خاندان کے سربراہ رام جی سکپال تھے جوفوج میں صوبیدار تھے۔ بنیادی طور پر یہ خاندان کوکن کا تھا۔ بھیم اس خاندان کا چودھواں بچہ تھا۔

بھیم کے زمانے کے ہندوستان اور یہاں کے حالات کو سمجھنا ضروری ہے۔ ہندوستان انگریزوں کا غلام تھا اور ملک ذات پات کی لعنت میں گرفتار تھا یعنی ذات پات کی تفریق عام بات تھی، شودروں کو اچھوت سمجھا جاتا تھا اور ان کے ساتھ سارے سماج خاص طور پر اعلیٰ ذات کے لوگوں کا رویہ غیر ہمدردانہ، بلکہ ناانصافی پر مبنی اور غیرانسانی تھا۔ ان لوگوں سے نفرت کی جاتی بلکہ جانوروں سے بدتر سمجھا جاتا۔ سماج میں ان کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا۔ وہ کنویں سے پانی بھی نہیں کھینچ سکتے تھے، مذہبی کتابیں پڑھنے کی اجازت نہیں تھیں بلکہ ان کے چھو جانے سے جسم ناپاک ہوگیا ہے ایسا خیال کیا جاتا تھا۔ ان کی ذمے داری تھی کہ سارے گاؤں کا کام کریں، پیسے مل گئے تو بہت اچھا ورنہ بدلے میں بدکلامی ملتی اور یہ اُف بھی نہیں کرسکتے تھے۔ صاف صفائی، گندگی اٹھانے کے کام شودروں کے ذمے تھے بعض دفعہ تو انھیں اپنے پیچھے (کمر میں) جھاڑو باندھ لینا پڑتا تھا تاکہ جس جگہ زمین پر ان کے پیروں کے نشانات پڑیں، ان کی صفائی ہوتی چلی جائے۔ انھیں کسی قسم کے جمہوری حقوق حاصل نہیں تھے اور آج ہم ان کی صحیح حالت کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ اب سماج سے اونچ نیچ، چھوت چھات کا خاتمہ ہوچکا ہے۔ بھیم کے خاندان کی حالت قدرے بہتر تھی مگر ان کا تعلق ایک پسماندہ طبقے سے ہی تھا۔

ان حالات میں بھیم کا جنم ہوا اور بچپن سے انھیں ذلت سہنی پڑی۔ بچپن میں انھیں رامائن مہابھارت اور بھکتی کے کبیر کے گیت سننے کا شوق تھا۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ بھیم اور ان کے بڑے بھائی آنند کو اپنے والد سے ملنے جانا تھا۔ والد اس وقت گورے گاؤں میں ملازمت کررہے تھے۔ ان کے والد دونوں سے اسٹیشن پر ملنے آنے والے تھے۔ دونوں بھائی ٹرین سے اترے اور کئی گھنٹے انتظار میں والد کے لیے رکے رہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ ان تک یہ پیغام پہنچا ہی نہیں۔ مجبوراً دونوں بھائیوں نے والد سے ان کی رہائش پر جاکر ملنے کا فیصلہ کیا۔ سفر دور کا تھا اور شام بھی ہونے والی تھی اس لیے ایک بیل گاڑی کرائے پر

لی۔ گاڑی بان کو معلوم ہوگیا کہ یہ اچھوت بچے ہیں۔ اس کا رویہ بدل گیا اور اس نے جانے سے انکار کردیا۔ بڑی منت سماجت کی گئی مگر وہ تیار نہ ہوا۔ دگنے دام پر تیار ہوا مگر ایک شرط رکھی کہ گاڑی بڑے بھائی کو ہانکنی ہوگی۔ ایسا ہی کیا گیا اور گاڑی والا ان کے ساتھ نہیں بیٹھا پیدل چلتا رہا۔ شام سے رات تک کا سفر بڑا تکلیف دہ تھا۔ لوگوں کو معلوم ہوتا گیا کہ یہ نچلی ذات کے لوگ ہیں، کھانا تو کیا پانی تک نہیں دیا کیونکہ پانی دینے سے ان کے مذہب پر حرف آنے کا خدشہ تھا۔ بھوکے پیاسے بھائی والد سے جا کر ملے۔

یہی حال اسکول میں بھی تھا۔ اس سلوک کا اثر ننھے بھیم کے خیالات پر پڑ رہا تھا اور اس نے ارادہ کرلیا کہ وہ پڑھ لکھ کر اس کو بدلے گا۔ انھوں نے طے کرلیا کہ وہ اپنی ذہانت، محنت اور اچھے رزلٹ سے اس سلوک کا جواب دیں گے۔ ان میں کچھ اچھے لوگ بھی تھے جو ان کی قدر کرتے بلکہ ان کے ایک برہمن ٹیچر تو ان کے بڑے ہمدرد تھے۔ وہ اپنے ساتھ بھیم کو کھانے میں بھی شامل کرلیتے (یہ اُس زمانے میں بہت بڑی بات تھی) سماجی تفریق اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ بھیم ایک مضمون سنسکرت لینا چاہتے تھے مگر یہ سماج کے نظریات کے خلاف تھا اس لیے اجازت نہیں دی گئی مجبوراً انھیں سنسکرت کی جگہ فارسی لینی پڑی۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں انھوں نے سنسکرت میں مہارت پیدا کرلی۔ 1907 میں بھیم نے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا اور فارسی میں انھیں سب سے زیادہ نمبر آئے۔

اُس زمانے میں غریب اور مستحق بچوں کے لیے ہوسٹل کی سہولت نہیں تھی۔ آج ہوسٹل میں قیام اور اعلیٰ تعلیم بہت معمولی بات ہے اور چھوٹی چھوٹی جگہوں پر یہ سہولیات موجود ہیں مگر اُس زمانے میں ایسا نہیں تھا۔ ایسے بچوں کی مدد اور رہنمائی کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ اسکول اور کالج تو بڑے بڑے شہروں میں تھے اور کالج تو صرف پونہ اور بمبئی میں تھے۔ اعلیٰ ذات کے متمول گھرانے کے لڑکے بھی کالج جانے کی ہمت نہیں کرسکتے تھے چہ جائیکہ معمولی حیثیت اور پچھڑی ذات کا ایک لڑکا۔ مگر بھیم میں بلا کا ارادہ تھا انھوں نے ہر مصیبت ہر آفت کا سامنا کیا مگر اپنے مقصد پر آنچ نہیں آنے دی۔ کسی اچھوت لڑکے کا میٹرک پاس کرلینا ایک عجوبہ تھا اس لیے لوگوں نے خوب خوشیاں منائیں اور آگے کے لائحۂ عمل کے لیے ایک میٹنگ طلب کی گئی اس میٹنگ میں بھیم کے بہت سے ہمدرد بھی شامل ہوئے جن میں ان کی اسکول کے دو برہمن ٹیچرز بھی تھے۔

دستور کے مطابق کم عمری میں بھیم کی شادی کردی گئی۔ شادی سے ان کی ہمت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ باپ نے بھی خوب ہمت افزائی کی۔ انھوں نے 1913 میں بی اے کا امتحان پاس کرلیا۔ اس سے ان کا تقرر بڑودہ کی شاہی فوج میں بحیثیت لیفٹیننٹ ہوگیا۔ مگر یہ بھیم کی منزل نہیں تھی۔

ہم طلبہ کو اس سے سبق ملتا ہے کہ بھیم تعلیم کے کتنے دیوانے تھے۔ اس دوران ان کے والد کا انتقال ہوگیا مگر بھیم کے ارادے میں کوئی لرزش نہیں آئی۔

ان کی تعلیم کی پیاس بجھی نہیں تھی نیویارک سے انھوں نے بیراک لا اور بون (جرمنی) جا کر بھی اپنی تعلیمی پیاس بجھائی لندن سے جب بھیم کی واپسی ہندوستان ہوئی تو ان کے پاس اتنی کتابیں تھیں کہ انھیں ایک علاحدہ اسٹیمر سے بھیجنا

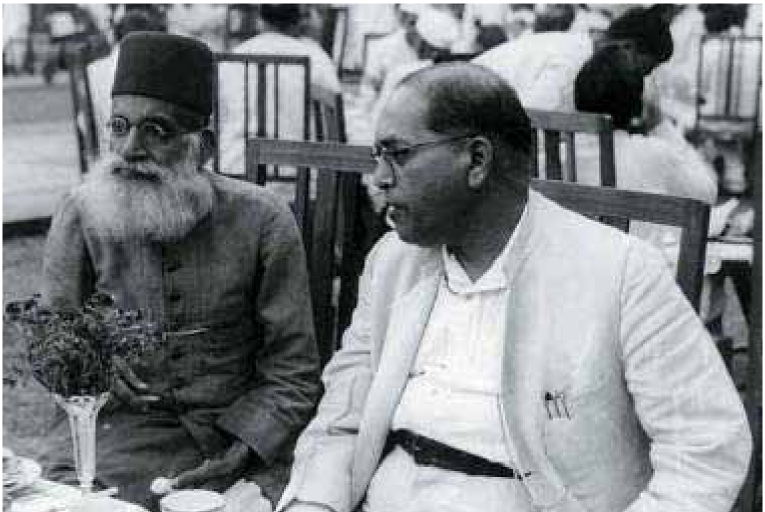

ڈاکٹر امبیڈکر کی مولانا حسرت موہانی کے ساتھ ایک یادگار تصویر

پڑا۔ بھیم خود الگ واپس آئے اور بحفاظت وطن پہنچ گئے مگر دوران سفر ان کی ساری کتابیں ضائع ہوگئیں اس سے بھیم کا کوئی نقصان نہیں ہوا کیونکہ انھوں نے ان کتابوں سے استفادہ کرکے اپنی علمیت بڑھا لی تھی۔ وطن لوٹنے پر ایک عمدہ ملازمت ان کے انتظار میں تھی۔ انھیں بڑودہ میں مہاراجہ کے ملٹری سکریٹری کے طور پر کام کرنے کا موقعہ ملا۔ اتنے بڑے عہدے پر ہونے کے باوجود اعلیٰ ذات کے لوگوں کا رویہ ان کے ساتھ غیر مناسب تھا۔

ان کی علمی لیاقت کو دیکھتے ہوئے بمبئی کے گورنر سڈنم نے ان کا تقرر گورنمنٹ سڈنم کالج میں کردیا۔ لندن میں انھوں نے جو تعلیمی کام ادھورا چھوڑا تھا اس کی تکمیل کے لیے وہ اپنے ذاتی خرچ پر دوبارہ لندن جا پہنچے اور یہاں کے لندن اسکول آف اکنامکس میں داخلہ لیا۔ اس دور میں کافی مالی پریشانی تھی۔ بھوکے رہ کر بھی بھیم نے تعلیم حاصل کی۔ اکثر پیدل سفر کرتے تھے تاکہ سواری کے پیسے بچ جائیں۔ اس دوران انھوں نے ڈی۔ ایس سی کیا اور بار ایٹ لا کی کوشش کی مگر اسے ادھورا چھوڑ کر وطن لوٹے۔

بمبئی لوٹنے پر انھیں گھر کی مالی حالت سدھارنے کا خیال آیا اور وکالت شروع کی۔ اس میدان میں بھی ان کو مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بے انتہا قابل ہونے کے باوجود اونچی ذات کے افراد ان کو اپنے مقدمے سونپتے نہیں تھے ان کا سارا انحصار معمولی اور پسے ہوئے لوگوں پر تھا جن سے مناسب رقم ملنے کی توقع نہیں تھی۔ اُس زمانے میں زیادہ تر وکیل اور سارے جج انگریز ہوا کرتے تھے مگر بھیم نے اپنا لوہا منوایا اور لوگ انھیں پسند کرنے لگے۔ ان کے اطراف ہزاروں لوگ اکٹھا ہوگئے اور بھیم نے لیبر پارٹی کی بنیاد ڈالی اور اس طرح سیاست میں حصہ لیا۔

طویل جدوجہد کے بعد آخر ملک آزاد ہوگیا۔ نئے آئین کو وجود میں لانے کے لیے جو کمیٹی بنائی گئی اس کے سربراہ ڈاکٹر امبیڈکر تھے اور انھوں نے اپنی علمیت کے سہارے دنیا کا سب سے طویل آئین تحریر کیا جو کہ آج بھی ملک میں چلتا ہے۔ اس کی بدولت ملک نے ترقی کی اور دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اس لیے ڈاکٹر امبیڈکر کو بجا طور پر 'آئین کا معمار' کہا جاتا ہے۔

بھیم نام کے اس لڑکے کو (جو ایک پسماندہ طبقے سے تعلق رکھتا تھا) آج ہم ڈاکٹر بی آر امبیڈکر کے نام سے

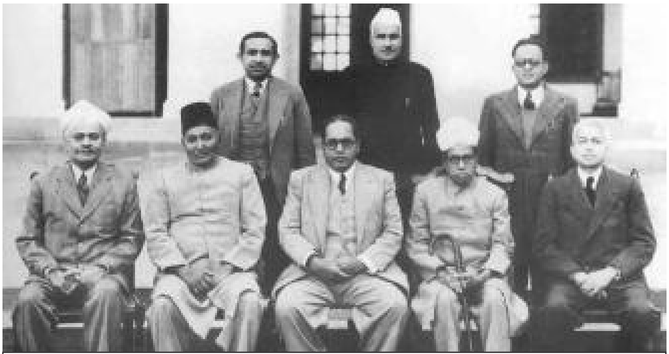

ڈاکٹر امبیڈکر دستورِ ہند ترتیب دینے والی کمیٹی کے ممبران کے ساتھ

جانتے ہیں جب کہ انھیں چاہنے والے ''بابا صاحب'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ اس ملک میں بدھ مذہب کے احیا کا ہے۔ وہ دلتوں، پسماندہ اور کچلے، پسے ہوئے لوگوں کے ''مسیحا'' بھی ہیں اور صرف ہندوستان نہیں باہر بھی ہزاروں، لاکھوں افراد ان کے نظریات سے متاثر ہیں۔ ملک نے ان کی خدمات کے اعتراف میں سب سے بڑے شہری اعزاز ''بھارت رتن'' سے نوازا۔ بھیم راؤ امبیڈکر ایک ماہر قانون، سیاست داں، ماہر عمرانیات، مورّخ، ماہر معاشیات، فلاسفر اور سماجی مصلح تھے جنھوں نے اپنی ساری قوم کو ذلت سے نکال کر ملک میں ایک باعزت مقام عطا کیا، انھیں متحد کیا اور انھیں سرکاری سہولتیں دلوائیں جن سے وہ صدیوں سے محروم تھے۔ آج ان کے ماننے والے ہر میدان میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں انھوں نے ملک کو ایسا آئین دیا جس کی روشنی میں ملک ترقی کی منزلیں طے کرتا جا رہا ہے اور ایک عظیم طاقت بننے کے لیے دیتا رہے۔ جب بھی ملک کی عزت اور عظمت کا سوال اٹھے گا بھیم راؤ امبیڈکر کی خدمات کو بھلایا نہیں جا سکے گا۔

ڈاکٹر بی آر امبیڈکر کی زندگی ہمیں علم کے حصول، تعصب، ظلم اور ناانصافی کے خلاف لڑنے کا پیغام دیتی ہے اور یہ بھی سبق دیتی ہے کہ زمانہ لاکھ دشمن ہو، مخالف ہو، تعصب کا اندھیر ہو اپنی کڑی محنت سے حالات کو پلٹا جا سکتا ہے۔ کتابوں سے شوق اور عمدہ تعلیم اور اعلیٰ صلاحیت کی بدولت اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہنا چاہیے۔ نئی نسل خصوصاً طلبہ کے لیے ایک اہم پیغام ہے کہ ایک فرد اکیلے ہی پوری قوم کی تقدیر کو پلٹ سکتا ہے۔ انھوں نے اپنی قوم بلکہ پورے ہندوستانیوں کی زندگی کے رخ کو موڑ کر رکھ دیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے زندگی کے ہر مرحلے میں مخالفت سہی چاہے وہ ان کی اپنی بستی ہو اسکول یا کالج ہو، بڑودہ کا اعلیٰ عہدہ ہو یا وکالت کا پیشہ ہو مگر ان سب کا مقابلہ دانش مندی اور اپنی تعلیم سے کیا اور سوئی ہوئی قوم کو بیدار کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کو عزتِ نفس بخشی، انسانی حقوق عطا کیے، سیاسی طور پر بیدار کیا، ان کو کامیابی کا گُر عطا کیا، گویا ان کی زندگیاں بدل کر رکھ دیں اس لیے یہ لوگ انھیں ''بابا صاحب'' کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کے فلسفے، طرزِ حیات اور نقطۂ نظر کا پتہ ان کی کتابوں اور بے شمار مضامین سے چلتا ہے۔ آج بھی ان کی زندگی کے حالات، فلسفہ اور سوچ پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں نیز ان پر تحقیق کا کام جاری ہے۔

■

Dr. Javed Ahmad
Principal (Retd.), 'Gul Fishan' 61/A
Civil Colony, Kalamna Kamptee - 441002
Dist. Nagpur(Maharashtra)

■ ارشد ندیم

بھیم کا صبر

دوستو! صبر وقناعت اور برداشت ایسی خوبیاں ہیں کہ جو اِن کو اپنا لیتا ہے وہ دنیا میں اہم مقام پیدا کرلیتا ہے۔ شاید اسی لیے تمام مذہبی کتابوں میں بار بار کہا گیا ہے کہ صبر کرو، صبر کرو صبر کرو... صبر کرنے والے کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ ان میں ہمیشہ امید قائم رہتی ہے اور وہ ہر حالت میں خوش رہنے کا ہنر سیکھ لیتے ہیں۔ جبکہ ایسے لوگ جو صبر نہیں کرتے ہمیشہ الجھے الجھے رہتے ہیں، قسمت کا رونا روتے ہیں وہ کامیابی سے ہمیشہ دور رہتے ہیں۔ آج ہم آپ کو ایک ایسے ہی بچے کی کہانی سنانے جارہے ہیں جس نے حالات سے کبھی ہار نہیں مانی، صبر کیا اور اتنی بڑی کامیابی حاصل کرلی کہ آج اس کا نام دنیا کے بڑے لوگوں میں شامل ہے۔ ہر سال اس کی یاد میں پروگرام ہوتے ہیں اور لوگ ان کی راہ پر چلنے کا عہد کرتے ہیں۔

بھارت کی ایک مشہور ریاست ہے مدھیہ پردیش۔ اس ریاست کے ہی ایک گاؤں میں ایک بہت ہی غریب پریوار رہتا تھا۔ نہ رہنے کے لیے اچھا گھر تھا، نہ اچھا کھانے کا انتظام، نہ آرام دہ گھریلو سامان۔ وہاں 14 اپریل 1891 کو ایک بچہ پیدا ہوتا ہے یہ بچہ اپنے چودہ بہن بھائیوں میں سب سے الگ تھا۔ شروع سے ہی اس کو لکھنے پڑھنے کا شوق تھا مگر اس دور میں غریبوں کے بچوں کو اسکول میں آسانی سے داخلہ نہیں ملتا تھا اور یہ بچہ تو ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوا تھا جس

کو اچھوت سمجھا جاتا تھا۔ پچھلے زمانے میں ایسے لوگوں کو اچھوت یا کمتر سمجھا جاتا تھا جو گندی بستیوں میں رہتے تھے۔ ہاں میں یہ تو بتانا بھول ہی گیا کہ اس بچے کا نام بھیم تھا، بہر حال بھیم کے ننھے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ وہ ایک اچھوت ذات کا بچہ ہے اور اس کے لیے پڑھائی لکھائی کرنے میں وہ آسانیاں نہیں ہیں جو دوسری ذات والوں کو حاصل ہے مگر اس بچے کو ضد تھی کہ وہ دوسرے بچوں کی طرح اسکول جائے۔ وہ اپنے پاپا سے ضد کرتا۔ پاپا سمجھاتے مگر اس کی سمجھ میں نہ آتا آخرکار ایک دن اس کے پاپا اس کی ضد کے آگے

مجبور ہوگئے۔ پاس کے اسکول لے گئے پہلے تو اسکول والوں نے داخلہ لینے سے ہی منع کر دیا لیکن جب انھوں نے گڑگڑا کر زیادہ منت سماجت کی تو ٹیچروں نے اسکول کی صفائی ستھرائی کی شرط پر اسکول میں داخلے کی اجازت دے دی۔ ننھا بھیم روز اسکول جاتا۔ ٹیچر اس سے جھاڑو لگواتے۔ دریوں کی صفائی کراتے اور باہر کھڑے رہنے کو کہتے۔ یہ بچہ چپ چاپ کھڑا رہتا۔ باقی بچوں کو پڑھتے دیکھتا۔ ٹیچر دھیان نہ دیتے۔ ساتھی بات تک نہ کرتے۔ اس کے ساتھ بری طرح پیش آتے مگر یہ بچہ سب کچھ چپ چاپ سنتا۔ برداشت کرتا۔ ہر روز اسکول جاتا اور جو کچھ پڑھاتے دیکھتا اس کو اپنے ذہن میں بٹھالیتا۔

بھیم کے پاپا کو اسکول والوں کی یہ زیادتی برداشت نہ ہوسکی تو وہ کئی بار اسکول گئے۔ ٹیچروں کی خوشامد کی مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک دن انھوں نے بڑے افسر صاحب سے شکایت کردی۔ تب ٹیچروں نے اس بچے کو اسکول کے باہر بیٹھنے کی اجازت دی۔ یہ بچہ بہت ذہین اور ہوشیار تھا۔ وہ تمام بچوں سے زیادہ تیز تھا مگر اس کی ساری ذہانت اپنی ذات کی وجہ سے بے فائدہ ہوکر رہ گئیں۔ بچے کے شوق کو دیکھ کر اس کے پاپا ممبئی چلے آئے۔ یہاں انھوں نے الفنسٹن اسکول میں داخلہ کرایا۔ یہاں بھی اس کے ساتھ بھید بھاؤ کیا گیا لیکن اس بچے کے شوق اور لگن نے ٹیچروں کو توجہ دینے پر مجبور کردیا۔ غربت، بھید بھاؤ، سہولتوں سے محرومی کے باوجود اس بچے نے ہائی اسکول میں اچھے نمبر حاصل کیے۔ تمام دکھوں اور تکلیفوں کو اس بچے نے برداشت کیا۔ زیادتیاں جھیلیں، ساتھیوں کی بے عزتی پر کبھی وہ رنجیدہ نہ ہوا۔ تعلیم حاصل کرنے کے شوق نے جنون سا پیدا کردیا۔ اس کے صبر نے خدا کو رحمتیں برسانے پر مجبور کردیا۔

اب بتاؤ، اگر آج کے دور میں کسی بچے کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے تو کیا وہ تعلیم حاصل کرسکے گا؟ نہیں نا؟ مگر اس بچے نے کبھی زبان سے شکایت کی نہ قسمت کا رونا رویا اور نہ کبھی اپنے ٹیچروں کے بارے میں برا سوچا۔ جانتے ہو یہ بچہ کون تھا؟

یہ ہونہار بچہ ہی آگے چل کر بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر کے نام سے مشہور ہوا۔ انھوں نے 1913 میں ایم اے کیا مگر ان کے علم کی پیاس نہیں بجھی۔ حالات ایسے نہیں تھے کہ دیش سے باہر تعلیم حاصل کرنے جاسکیں۔ ایسے میں بڑودہ کے راجہ سیاسی راؤ گائیکواڑ ان کی مدد کو آگے آئے۔ انھوں نے امبیڈکر کو امریکہ بھیجا جہاں سے انھوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اگر امبیڈکر چاہتے تو امریکہ ہی میں اپنی تمام زندگی عیش و آرام سے گزار سکتے تھے لیکن وہ بھارت آئے اور سماجی خدمت میں لگ گئے۔ یہاں انھوں نے بھید بھاؤ کے خلاف مہم چھیڑی، ری پبلکن پارٹی بنائی۔ آزادی کی لڑائی میں شریک ہوئے اور بھارت کے غریب بچوں کی تعلیم کے لیے کوششیں کیں۔ بابا صاحب نے صبر وتحمل اور برداشت کے ذریعے ہی ساری دنیا میں نام حاصل کیا ہے۔ اب تو آپ سمجھ گئے نا کہ صبر کتنی پاورفل چیز ہے...!

■

Arshad Nadeem
A-3 C 52 Abul Fazal Enclave
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi - 110025

ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کے زریں اقوال

- ایک عظیم انسان ایک ممتاز شخص سے اِس طرح سے الگ ہوتا ہے کہ وہ سماج کا نوکر بننے تک کو تیار رہتا ہے۔
- افراد اوران کے مذہب کو سماجی اخلاقیات پر مبنی معاشرتی معیاروں کی بنیاد پر پرکھا جانا چاہیے۔ اگر مذہب کو لوگوں کی بھلائی کے لیے ضروری مان لیا جائے گا تو اور کسی پیمانے کا مطلب نہیں ہوگا۔
- عقل کی نشو ونما انسانی وجود کا حقیقی مقصد ہونا چاہیے۔
- ہر انسان جو مِل کے اصول کہ ایک ملک دوسرے ملک پر پر حکومت نہیں کرسکتا، کو دوہراتا ہے اسے یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ ایک طبقہ دوسرے طبقے پر حکومت نہیں کرسکتا۔
- ایک کامیاب انقلاب کے لیے صرف اختلاف رائے کا ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ عدل وانصاف، سیاسی اور سماجی حقوق میں گہری عقیدت بھی ضروری ہے۔
- تاریخ بتاتی ہے کہ اخلاقیات اوراقتصادیات کے درمیان تصادم میں جیت ہمیشہ اقتصادیات کی ہوئی ہے۔ ذاتی مفادات کو تب تک خوشی سے نہیں چھوڑا گیا ہے جب تک کہ مجبور کرنے کے لیے مناسب طاقت نہ لگائی گئی ہو۔
- میں ایسے مذہب کو مانتا ہوں جو آزادی، برابری اور بھائی چارہ سکھائے۔
- میں اس برادری کو ہی ترقی یافتہ مانتا ہوں جس برادری کی خواتین نے ترقی کی ہو۔
- آج ہندوستان کی عوام پر دو الگ الگ نظریات کا تسلط کیا جارہا ہے۔ ایک تو ہندوستانی آئین کے تحت جو آزادی، برابری اور بھائی چارہ بتاتا ہے اور دوسرا وہ نظریہ جو ان کا

مذہب کہتا ہے جس میں یہ باتیں نہیں ہیں۔

- نظم ونسق سیاسی جسم کی دوا ہے اور جب سیاست کمزور پڑے تو یہ دوا ضرور دی جانی چاہیے۔
- زندگی طویل ہونے کے بجائے عظیم ہونی چاہیے۔
- انسان فانی ہے۔ اس طرح اس کے خیالات بھی فانی ہیں۔ ایک خیال (پیغام) کو دوسروں تک پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے ایک پودے کو پانی کی۔ نہیں تو دونوں مُرجھا کر مَر جاتے ہیں۔
- جب تک آپ سماجی آزادی نہیں حاصل کر لیتے قانون آپ کو جو بھی آزادی دیتا ہے وہ آپ کے کسی کام کی نہیں۔
- شوہر اور بیوی کے درمیان اچھے دوستوں کے جیسا رشتہ ہونا چاہیے۔
- سمندر میں مل کر اپنی پہچان کھو دینے والے پانی کی ایک بوند کے برعکس انسان جس سماج میں رہتا ہے وہاں اپنی پہچان نہیں کھوتا۔ انسان کی زندگی آزاد ہے وہ صرف سماج کی ترقی کے لیے پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ اپنی ذات کی ترقی کے لیے بھی پیدا ہوا ہے۔
- ہم اول و آخر ہندوستانی ہیں۔
- ہمارے پاس یہ آزادی کس لیے ہے؟ ہمارے پاس یہ آزادی اس لیے ہے تاکہ ہم اپنے اس سماجی نظام کو سدھار سکیں جو نابرابری، بھید بھاؤ اور دیگر چیزوں سے بھری ہے، جو ہمارے بنیادی حقوق سے متصادم ہے۔

جوابات

ٹی 20 عالمی کپ
کی مختصر تاریخ اور اہم ریکارڈ

اے این شبلی

ویسے تو کرکٹ کی موجودگی دنیا کے بہت زیادہ ممالک میں نہیں ہے اس کے باوجود اس کھیل نے اب اپنی ایک خاص پہچان بنا لی ہے۔ ہندوستان اور پاکستان جیسے ممالک میں تو اب کرکٹ ہی نمبر ایک کھیل بن گیا ہے اور اس کے تئیں لوگوں کی دیوانگی حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کرکٹ میں پہلے ٹیسٹ شروع ہوا، پھر ون ڈے کرکٹ کی شروعات ہوئی اور اب 20-20 اوور کی بھی کرکٹ ہونے لگی ہے۔ جلد ہی نتیجہ نکل جانے کی وجہ سے کرکٹ کا یہ فارمیٹ لوگوں میں کافی مقبول ہوا۔ اس کی مقبولیت کی وجہ سے ہی ہندوستان میں آئی پی ایل اور دیگر ممالک میں بھی ایسے ہی ٹورنامنٹ ہونے لگے۔

سب سے پہلا ٹوینٹی ٹوینٹی میچ 17 فروری 2005 کو آکلینڈ میں آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے درمیان کھیلا گیا۔ اس میچ میں آسٹریلیا نے پہلے کھیلتے ہوئے 214 رنز بنائے۔ جواب میں نیوزی لینڈ کی ٹیم 170 رنز بنا کر آؤٹ ہوگئی اور اس طرح دنیا کا پہلا ٹوینٹی ٹوینٹی بین الاقوامی میچ آسٹریلیا نے 44 رنوں سے جیت لیا۔

ناظرین کی حمایت ملنے سے انٹرنیشنل کرکٹ کاؤنسل (آئی سی سی) کی حوصلہ افزائی ہوئی اور اس طرح ٹی ٹوینٹی کا عالمی کپ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ حالانکہ ہندوستان کو شروع میں اس قسم کی مختصر کرکٹ پر اعتراض تھا مگر جس طرح اسے ناظرین کی حمایت ملی اس کے بعد ہندوستان میں بورڈ کی سطح پر اس کھیل کو پسند کیا جانے لگا اور ہندوستانی بورڈ نے ایسے ٹورنامنٹ کے انعقاد پر اتفاق کیا۔ پہلا عالمی کپ 2007 میں منعقد ہوا۔ حیرت انگیز بات یہ رہی کہ جو ہندوستان ایسی کرکٹ کی مخالفت کر رہا تھا اسی کو پہلا خطاب ملا۔ یعنی ٹوینٹی ٹوینٹی کرکٹ کا پہلا عالمی فاتح ہندوستان ہی بنا۔

اس بار چھٹے عالمی کپ کا انعقاد ہندوستان میں 8 مارچ سے ہونا ہے۔ اس موقع پر آیئے ایک نظر اب تک ہوئے گزشتہ ورلڈ کپ پر ڈال لیا جائے۔ ٹوینٹی ٹوینٹی کے پہلے عالمی کپ کا انعقاد 2007 میں ہوا۔ 2007 میں جب عالمی کپ شروع ہوا تو پہلا میچ ویسٹ انڈیز اور جنوبی افریقہ کے درمیان کھیلا گیا جس میں جنوبی افریقہ نے کامیابی حاصل کی۔ فائنل میچ دو روایتی حریف ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ہوا جس میں ہندوستان نے 5 رنوں سے کامیابی حاصل کی۔ تین وکٹ لینے والے عرفان پٹھان نے ہندوستان کی جیت میں خاص رول ادا کیا اور انھیں ہی مین آف دی میچ

کا خطاب ملا۔ پاکستان کے شاہد آفریدی کو مین آف دی سیریز منتخب کیا گیا۔

دوسرے عالمی کپ کا انعقاد 2009 میں انگلینڈ میں ہوا۔ پاکستان مسلسل دوسری بار ٹوینٹی ٹوینٹی عالمی کپ کے فائنل میں پہنچا۔اس بار فائنل میں اس کا مقابلہ سری لنکا سے ہوا جہاں پاکستان کو 8 وکٹ سے جیت ملی ۔اس طرح دوسرا عالمی کپ پاکستان نے جیتا۔شاہد آفریدی نے 54 رن بنائے اور ایک وکٹ بھی لیا۔ پاکستان کی جیت میں ان کا بڑا رول رہا اور وہی مین آف دی میچ قرار پائے۔سری لنکا کے تلک رتنے دلشان کو مین آف دی سیریز کا خطاب ملا۔

ٹوینٹی ٹوینٹی کا تیسرا عالمی کپ 2010 میں ویسٹ انڈیز میں منعقد ہوا۔ پہلا میچ نیوزی لینڈ اور سری لنکا کے درمیان کھیلا گیا جس میں نیوزی لینڈ نے 2 وکٹ سے جیت حاصل کی۔فائنل میچ آسٹریلیا اور انگلینڈ کے درمیان 16 مئی کو ہوا۔ ٹاس انگلینڈ نے جیتا اور آسٹریلیا کو پہلے بیٹنگ کی دعوت دی۔ پہلے کھیلتے ہوئے آسٹریلیا نے 20 اوور میں 6 وکٹ پر 147 رن بنائے۔ جواب میں انگلینڈ نے 17 اوور میں 3 وکٹوں کے نقصان پر 148 رن بنا لئے اور ٹوینٹی ٹوینٹی کا تیسرا عالمی فاتح بن گیا۔ انگلینڈ کے کریگ کیسویٹر کو مین آف دی میچ کا خطاب ملا جبکہ انگلینڈ کے ہی کیون پیٹرسن کو مین آف دی سیریز منتخب کیا گیا۔

ٹوینٹی ٹوینٹی کا چوتھا عالمی کپ 2012 میں سری لنکا میں منعقد ہوا۔ چوتھے عالمی کپ کا پہلا میچ میزبان سری لنکا اور زمبابوے کے درمیان کھیلا گیا۔اس میچ میں سری لنکا نے 82 رنوں سے کامیابی حاصل کی۔ فائنل میچ سری لنکا اور ویسٹ انڈیز کے درمیان ہوا۔ ویسٹ انڈیز نے پہلے بیٹنگ کی اور 137 رن بنائے۔ جواب میں لنکا کی ٹیم صرف 101 رنز بنا کر آؤٹ ہوگئی۔ اس طرح پہلا دو یک روزہ عالمی کپ جیتنے والے ویسٹ انڈیز کی ٹیم کو ٹوینٹی ٹوینٹی عالمی کپ جیتنے کا بھی موقع مل گیا۔ فائنل کے مین آف دی میچ کا خطاب مرلون سیمولیس کو جبکہ مین آف دی سیریز کا ایوارڈ آسٹریلیا کے شین واٹسن کو ملا۔

ٹوینٹی ٹوینٹی عالمی کپ کے پانچویں ایڈیشن کا انعقاد مارچ 2014 میں بنگلہ دیش میں ہوا۔ یہاں پہلا میچ بنگلہ دیش اور افغانستان کے درمیان ہوا جس میں بنگلہ دیش نے 9 وکٹ سے کامیابی حاصل کی۔ پہلا عالمی کپ جیتنے کے بعد ہندوستان کی ٹیم ایک بار پھر فائنل میں پہنچی۔ یہاں اس بار اس کا مقابلہ سری لنکا سے ہوا جہاں سری لنکا کو فتح نصیب ہوئی۔ ہندوستانی ٹیم نے پہلے بلے بازی کی اور 130 رن بنائے جواب میں سری لنکا نے بڑی آسانی سے کامیابی حاصل کر لی۔سری لنکا کے کمار سنگا کارا کو مین آف دی میچ جبکہ ہندوستان کے ویراٹ کوہلی کو مین آف دی سیریز کا ایوارڈ ملا۔اس بار چونکہ یہ ٹورنامنٹ ہندوستان میں ہو رہا ہے اس لئے ہمیں امید ہے کہ ہندوستان کی ٹیم بہتر کھیل پیش کرے گی اور شاید ہندوستان دوسری بار عالمی فاتح بن بھی جائے۔

ٹی ۔20 عالمی کپ کے اہم ریکارڈ:

یہ ہم سب کو پتہ ہے کہ کرکٹ اعداد و شمار کا کھیل ہے۔کرکٹ کے ہر میچ میں نئے ریکارڈ بنتے ہیں اور پرانے ٹوٹ جاتے ہیں۔آئے دن بننے والے نئے ریکارڈ کی وجہ سے بھی کرکٹ کو مقبولیت حاصل ہے۔چونکہ عالمی کپ کا

انعقاد ایک اہم موقع ہے اس لیے آیئے ایک نظر ٹی 20 عالمی کپ کے تعلق سے اہم اعداد وشمار پر ڈال لیتے ہیں۔

ٹی۔20 عالمی کپ میں سب سے زیادہ 31 میچ کھیلنے اور سب سے زیادہ 21 میچ جیتنے کا ریکارڈ سری لنکا کے نام ہے۔ ہندوستان کی بات کریں تو ہندوستان نے کل 28 میچ کھیلے ہیں جن میں اسے 18 میں جیت ملی ہے، 9 میچوں میں شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے جبکہ ایک میچ کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ 14 ستمبر 2007 کو سری لنکا نے مقررہ 20 اووروں میں 6 وکٹوں کے نقصان پر 260 رن بنائے تھے۔ یہ ٹی۔20 عالمی کپ میں کسی بھی ٹیم کا سب سے بڑا اسکور ہے۔ 14 ستمبر 2007 کو جوہانسبرگ میں سری لنکا نے کینیا کو 172 رنوں سے ہرایا۔ یہ ٹی۔20 عالمی کپ میں کسی بھی ٹیم کی رنوں کے فرق سے سب سے بڑی جیت ہے۔ وکٹوں کے فرق سے سب سے بڑی جت کی بات کریں تو اب تک آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ نے 10-10 وکٹ سے جیت حاصل کی ہے۔ آسٹریلیا نے 20 ستمبر 2007 کو سری لنکا کو جبکہ افریقہ نے 20 ستمبر 2012 کو زمبابوے کو اتنے بڑے فرق سے ہرایا۔

سب سے چھوٹی جیت کے طور پر اب تک تین ٹیمیں ایک ایک رن کے فرق سے جیت حاصل کر چکی ہیں۔ 9 جون 2009 کو جنوبی افریقہ نے نیوزی لینڈ کو، 8 مئی 2010 کو نیوزی لینڈ نے پاکستان کو اور 2 اکتوبر 2012 کو ہندوستان نے جنوبی افریقہ کو ایک رن سے ہرایا۔ وکٹ کے حساب سے سب سے چھوٹی جیت کی بات کریں تو اب تک تین ٹیمیں 2-2 وکٹ سے جیت حاصل کر چکی ہیں۔ 21 ستمبر 2012 کو نیوزی لینڈ کے برینڈن میکولم نے 58 گیندوں پر 123 رن بنائے۔ یہ ٹی۔20 عالمی کپ میں کسی بھی کھلاڑی کے ذریعہ بنایا گیا سب سے بڑا انفرادی اسکور ہے۔ ویسے اب تک کل ملا کر ٹی۔20 عالمی کپ میں 6 سنچریاں بن چکی ہیں۔ ہندوستان کے سریش رینا ٹی۔20 عالمی کپ میں سنچری بنانے والے واحد ہندوستانی بلے باز ہیں۔

سری لنکا کے مہیلا جے وردھنے نے ٹی۔20 عالمی کپ کے 31 میچوں میں 1016 رن بنائے۔ وہ ٹی۔20 عالمی کپ میں سب سے زیادہ رن بنانے والے بلے باز ہیں۔ وہ واحد ایسے بلے باز ہیں جنھوں نے یہاں 1000 سے زائد رن بنائے ہیں۔ چونکہ ٹی۔20 میں چھکوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور ایک چھکا سے میچ کا نقشہ ہی بدل جاتا ہے اس لیے ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ٹی۔20 عالمی کپ میں سب سے زیادہ چھکے کس بلے باز نے لگائے ہیں۔ اس معاملے میں ویسٹ انڈیز کے کرس گیل پہلے نمبر ہیں۔ انھوں ٹی۔20 عالمی کپ کے 23 میچوں میں 49 چھکے لگائے ہیں۔ ہندوستان کے یوراج سنگھ اس معاملے میں دوسرے نمبر پر ہیں جنھوں نے 31 چھکے لگائے ہیں۔ 18 ستمبر 2012 کو سری لنکا کے اجنتا مینڈس نے زمبابوے کے خلاف 8 رن دے کر 6 وکٹ حاصل کئے تھے۔ یہ ٹی۔20 عالمی کپ میں کسی بھی گیند باز کی ایک اننگ میں بہترین کارکردگی ہے۔ ویسے کل ملا کر ٹی۔20 عالمی کپ میں اب تک سب سے زیادہ وکٹ سری لنکا کے ہی لیستھ ملنگا نے حاصل کئے ہیں۔ ملنگا نے 31 میچوں میں 38 وکٹیں حاصل کی ہیں۔ دوسرے نمبر پر پاکستان کے سعید اجمل ہیں جن کے وکٹوں کی تعداد 36 ہے۔

■

AN Shibli
P-305/1, Second Floor
Batla House, New Delhi-110025

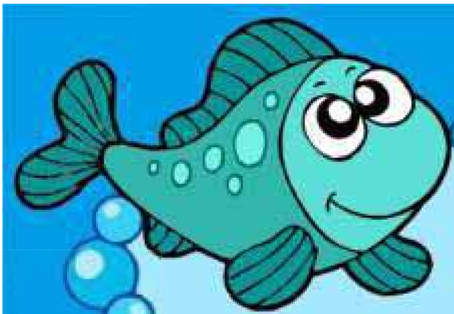

■ رئیس الدین رئیس

مچھلی

گوری مچھلی کالی مچھلی　　پانی کی متوالی مچھلی
پانی کی رانی کہلائے　　پانی پر وہ حکم چلائے
مست رہے پانی کے اندر　　جی نہ سکے وہ کبھی زمیں پر
اُڑ نہ سکے وہ پر ہونے پر　　رہ جائے ہے چھلانگ بھر کر
انڈے دے وہ ندی کنارے　　جن سے نکلیں بچے پیارے
لیے ہاتھ بچوں کا ہاتھ میں　　تیرتی وہ بچوں کے ساتھ میں
پانی میں گھر بار بسائے　　خوشی خوشی مچھلی جیے جائے

جال میں اُس کو پھنسانے والے
عدو ہیں اُس کے زمانے والے

■
Raisuddin Rais
10/1725, Dehli Gate,
Aligarh - 202001 (UP)

شکیل سہسرامی

چہرہ دادی کا

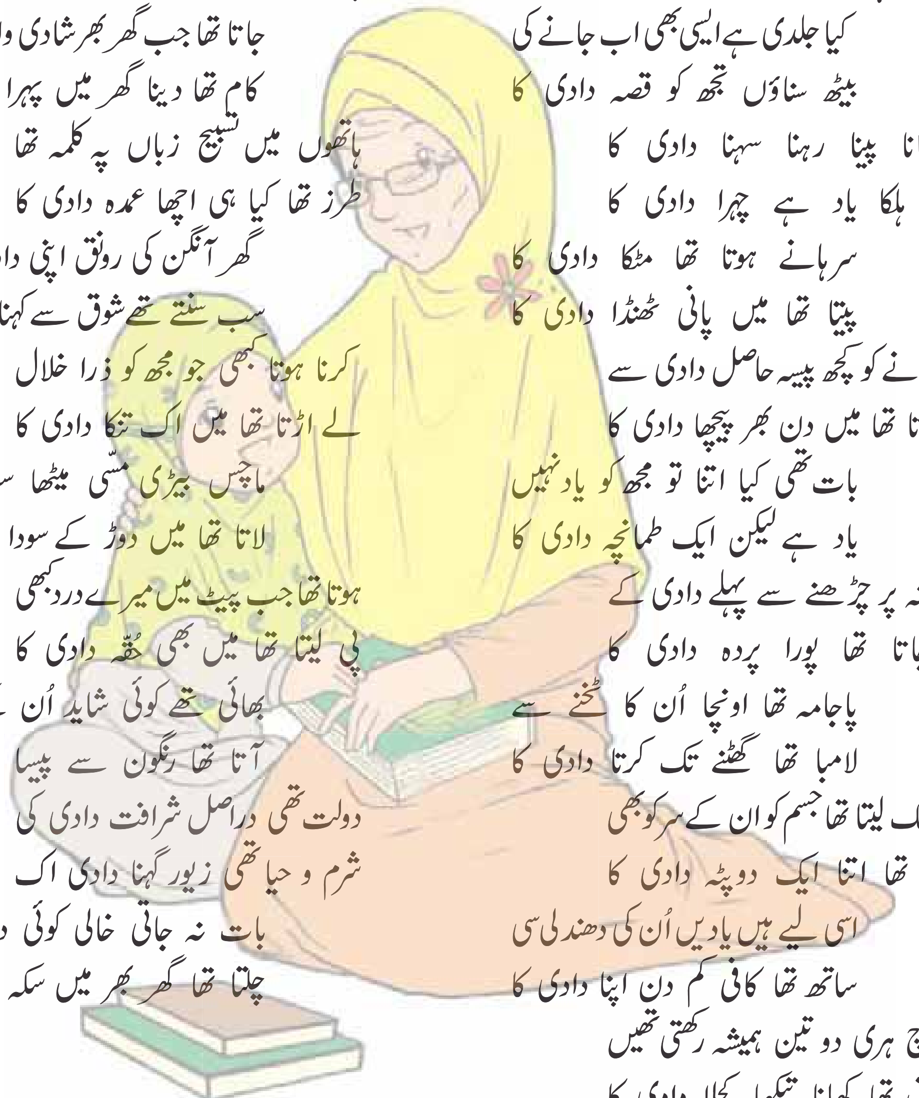

اپنا بچپن اور بڑھاپا دادی کا
پیش ہے تیرے سامنے خاکہ دادی کا
کیا جلدی ہے ایسی بھی اب جانے کی
بیٹھ سناؤں تجھ کو قصہ دادی کا
کھانا پینا رہنا سہنا دادی کا
ہلکا ہلکا یاد ہے چہرا دادی کا
سرہانے ہوتا تھا مٹکا دادی کا
پیتا تھا میں پانی ٹھنڈا دادی کا
کرنے کو کچھ پیسہ حاصل دادی سے
کرتا تھا میں دن بھر پیچھا دادی کا
بات تھی کیا اتنا تو مجھ کو یاد نہیں
یاد ہے لیکن ایک طمانچہ دادی کا
رِکشہ پر چڑھنے سے پہلے دادی کے
ہوجاتا تھا پورا پردہ دادی کا
پاجامہ تھا اونچا اُن کا ٹخنے سے
لامبا تھا گھٹنے تک کرتا دادی کا
ڈھک لیتا تھا جسم کو ان کے سر کو بھی
بڑا تھا اتنا ایک دوپٹہ دادی کا
اسی لیے ہیں یادیں اُن کی دھندلی سی
ساتھ تھا کافی کم دن اپنا دادی کا
مرچ ہری دو تین ہمیشہ رکھتی تھیں
شوق تھا کھانا تیکھا کچلا دادی کا
دل میں ہے محفوظ محبت دادی کی
آنکھوں میں ہے سندر مکھڑا دادی کا

پاؤں میں ہر وقت کھڑاؤں رہتی تھی
ہاتھوں میں رہتا تھا ڈنڈا دادی کا
جاتا تھا جب گھر بھر شادی وادی میں
کام تھا دینا گھر میں پہرا دادی کا
ہاتھوں میں تسبیح زباں پہ کلمہ تھا
طرز تھا کیا ہی اچھا عمدہ دادی کا
گھر آنگن کی رونق اپنی دادی تھیں
سب سنتے تھے شوق سے کہنا دادی کا
کرنا ہوتا کبھی جو مجھ کو ذرا خلال
لے اڑتا تھا میں اک تنکا دادی کا
ماچس بیڑی مسّی میٹھا سوڈا بھی
لاتا تھا میں دوڑ کے سودا دادی کا
ہوتا تھا جب پیٹ میں میرے درد کبھی
پی لیتا تھا میں بھی حُقّہ دادی کا
بھائی تھے کوئی شاید اُن کے باہر
آتا تھا رنگون سے پیسا دادی کا
دولت تھی دراصل شرافت دادی کی
شرم و حیا تھی زیور گہنا دادی اک
بات نہ جاتی خالی کوئی دادی کی
چلتا تھا گھر بھر میں سکہ دادی کا

■

Shakil Sahsarami, Dept of Urdu, Bihar Vidhan Parishad, Patna - 15 (Bihar)

■ رئیس صدیقی

وعدہ

کردار:

(1) افشاں: باتونی لڑکی کی عمر 9 سے 12 سال)

(2) عارفہ: (افشاں کی بڑی بہن، عمر 21 سے 25 سال)

(3) امی: (افشاں اور عارفہ کی ماں)

(4) رئیس: (افشاں اور عارفہ کا خالہ زاد بھائی)

پہلا سین

(افشاں اسکول سے پڑھ کر گھر آتی ہے)

افشاں: امی جان، عارفہ آپا السلام علیکم!

امی: آ گئیں تم افشاں بیٹی، چلو، جلدی سے بستہ رکھو اور...

افشاں: امی جان، آج تو مزہ آ گیا اسکول میں.....

امی: بس آتے ہی اسکول کا قصہ لے بیٹھتی ہو، آج یہ ہوا، آج وہ ہوا.....

افشاں: امی جان! آج یہ ہوا، نہ آج وہ ہوا، بلکہ.....

امی: اچھا چُپ، دوسروں کے بچے اسکول سے آتے ہی کھانا مانگتے ہیں لیکن یہ ہے کہ باتیں بنائے جا رہی ہے۔ پہلے کھانا کھالے، پھر کرنا بک بک، تمھیں کیا بھوک نہیں لگتی؟

عارفہ: لگتی تو ہے لیکن یہ اپنا پیٹ باتوں سے بھر لیتی ہے، امی۔

افشاں: سب میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں، عارفہ آپا بھی، بس میرے ابو ہی اچھے ہیں۔

امی: بس باتیں بند، اب خاموشی سے کھانا کھالے۔

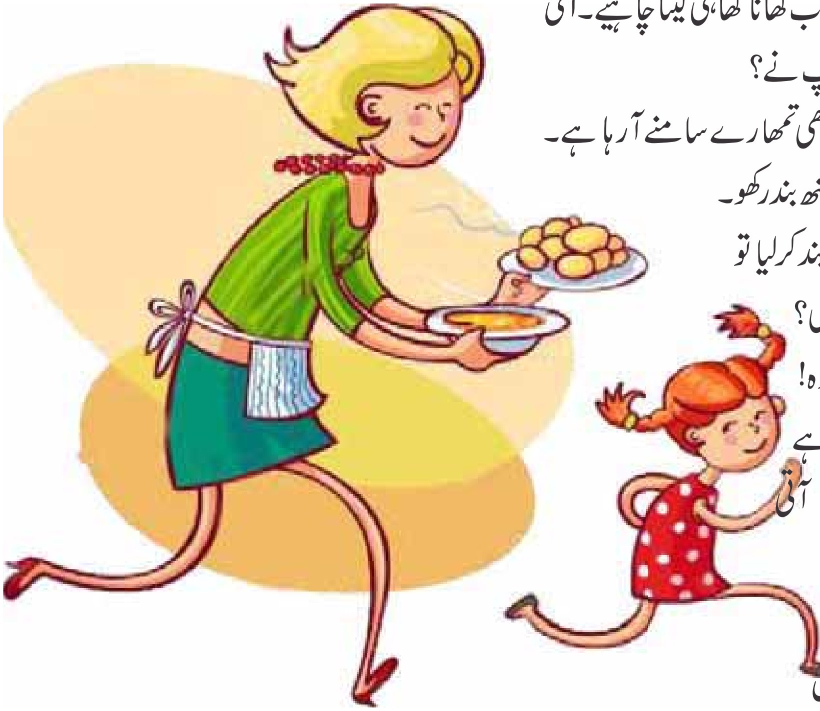

افشاں: جی ہاں امی جان، اب کھانا کھا ہی لینا چاہیے۔ امی کیا پکایا ہے آج آپ نے؟

امی: جو کچھ پکایا ہے، ابھی تمھارے سامنے آرہا ہے۔ تھوڑی دیر ذرا اپنا منھ بند رکھو۔

افشاں: امی جان، اگر منھ بند کرلیا تو کھانا کیسے کھاؤں گی؟

امی: اُف، فوہ! یہ چھٹا نک بھر کی ہے لیکن باتیں کیسی آتی ہے اسے!

افشاں: نہیں امی، میں چھٹا نک بھر کی نہیں ہوں۔ میں تو بارہ دونی چوبیس کلو کی ہوں۔

امی: ارے بابا، کچھ دیر خاموش رہو۔ کھانا لگ گیا ہے، اب چُپ چاپ بیٹھ کر کھانا کھالو۔

افشاں: واہ امی (چٹخارہ لے کر) مزہ آگیا امی میری امی کتنا مزیدار کھانا پکاتی ہیں۔ سنیے امی، آج اسکول میں میرے دوستوں نے مجھ سے کہا:

افشاں: آج تو تمھارے بال اور بھی اچھے لگ رہے ہیں۔ تم روزانہ اتنے اچھے بال کیسے بنا لیتی ہو؟ میں نے کہا......... یہ سب میری کھوپڑی کا کارنامہ ہے۔ لیکن امی عارفہ آپا تو روز تقریر فرماتی ہیں کہ سادگی سے بال سنوارو، جیسے میرے بال سادے نہ ہوکر ٹیکنی کلر ہوں۔

عارفہ: افشاں، پھر تم بولیں، امی کے کہنے کے باوجود!

افشاں: میں بول نہیں رہی ہوں، بتا رہی ہوں۔

امی: جی ہاں (طنز سے) آپ صحیح فرما رہی ہیں۔ بولے اور بات کرنے میں فرق ہے، ہے نا؟۔

افشاں: نہیں امی، میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں کہنا یہ چاہتی ہوں کہ.....

امی: مطلب وطلب کچھ نہیں، خاموشی سے کھانا کھا کر، اپنے کمرہ میں آرام کرو۔

عارفہ: ہاں افشاں، آج تم کھانا کھانے کے بعد فوراً اپنے کمرہ میں چلی جانا۔ آج مجھے نوٹس بنانے ہیں۔

افشاں: ارے عارفہ آپا، آپ کیا کرنے جارہی ہیں۔ نوٹس بنانے کے چکر میں نہ پڑیے۔ نہیں تو لینے کے

دینے پڑ جائیں گے۔

عارفہ: بے وقوف لڑکی، نوٹس بنانے کا مطلب ہے۔ سبق کا خلاصہ تیار کرنا تاکہ امتحان کے وقت دوہرا سکوں۔

افشاں: جی ہاں، جیسے میں جانتی نہیں کہ نوٹس کسے کہتے ہیں۔ اگر آپ ڈاکٹری پڑھ رہی ہیں تو میں بھی اسکول میں پڑھ رہی ہوں اور تقریر میں بھی اول آتی ہوں۔

عارفہ: جی ہاں جی ہاں، یہ تو میں بھول ہی گئی تھی کہ ماشاءاللہ بہت پڑھی لکھی ہیں۔

افشاں: دیکھیے امی، عارفہ آپا جلی کٹی باتیں کرنے لگی ہیں۔ میں اسی لیے زیادہ نہیں بولتی ہوں۔ اگر آپ لوگوں کو میرا بولنا برا لگ رہا ہے تو میں کھانا کھا چکی۔

(پہلے سین کا اختتام)

دوسرا سین

(فریدہ اپنے کمرے میں بیٹھی پڑھ رہی ہے کہ افشاں آتی ہے)

افشاں: عارفہ آپا، آپ اس کمرہ میں بیٹھی کیا کر رہی ہیں؟

عارفہ: بکواس کر رہی ہوں۔

افشاں: تو اکیلے بکواس کیوں کر رہی ہیں۔ اس میں مجھے بھی شامل کر لیجیے۔

عارفہ: دیکھو افشاں خاموش رہو۔ مجھے نوٹس بنانے دو۔ نہیں تو میرا موڈ خراب ہو جائے گا۔

افشاں: فکر کی کوئی بات نہیں۔ اگر موڈ خراب ہو گیا تو میں ریحان بھائی کو بلا لاؤں گی۔ وہ ہنسا ہنسا کر آپ کا موڈ ٹھیک کر دیں گے۔

عارفہ: خاموش پلیز، میری پیاری بہن یہاں آؤ پلیز۔

افشاں: لیجیے آ گئی۔ اب بتائیے آپ مکھن کیوں لگا رہی ہیں۔

عارفہ: میری پیاری افشاں، تم صرف آدھے گھنٹے کے لیے خاموش ہو جاؤ۔

دیکھو اس وقت چار بجے ہیں۔ تم صرف ساڑھے چار بجے تک خاموش رہو۔ میں تمھیں چاکلیٹ لانے کے لیے دس روپے دوں گی۔

افشاں: ہوں، چونکہ پیار سے کہہ رہی ہو، اس لیے بات مان لینی چاہیے، ٹھیک ہے، جاتی ہوں۔

عارفہ: ایسے نہیں، وعدہ کرو۔

افشاں: چلیے وعدہ کیا۔ اچھا اب میں اپنے کمرے میں جاتی ہوں۔ خدا حافظ۔

(سین ختم)

تیسرا سین

(دروازہ کی کال بیل بجتی ہے)

عارفہ: کون؟۔ ابھی آئی۔

(عارفہ دروازہ کھولتی ہے)

ارے رئیس بھائی آپ!۔ امی دیکھیے رئیس بھائی آئے ہیں۔

رئیس: عالیہ خالہ کہاں ہیں، عارفہ؟

امی: ارے رئیس تم!

رئیس: السلام علیکم خالہ جان۔

امی: وعلیکم السلام، لیکن یہ اچانک کیسے؟ نہ کوئی خط، نہ کوئی اطلاع، خبر کر دیتے، ہم لوگ اسٹیشن آ جاتے لینے کے لیے۔

رئیس: بس اچانک پروگرام بن گیا، اس لیے اچانک آ گیا، خالو جان کہاں ہیں؟

امی: وہ تو لکھنؤ گئے ہوئے ہیں۔

رئیس: اور ہماری باتونی افشاں کہاں ہے؟

امی: وہ اپنے کمرے میں ہے۔

رئیس: (کمرہ میں داخل ہوتے ہوئے) اوہ! تو میری باتونی گڑیا یہاں خاموش میز پر سر رکھے، آنکھیں بند کیے کرسی پر بیٹھی ہے۔ افشاں، دیکھو میں تمھارے لیے کیا لایا ہوں۔ (افشاں اشارے سے سلام کرتی ہے)۔ ارے یہ تم اشارہ سے سلام کیوں کر رہی ہو؟ تم بولتی کیوں نہیں۔
ارے بیٹھنے کے لیے بھی اشارہ سے کہہ رہی ہو۔ لو میں بیٹھ جاتا ہوں لیکن اشارہ سے کیوں بات کر رہی ہو؟ کیا بات ہے افشاں؟ بولتی کیوں نہیں؟ بولو نا، ارے اب بھی اشارہ!

خالہ: عارفہ ذرا یہاں آ کر دیکھیے اسے کیا ہو گیا ہے!
(امی اور عارفہ لپک کر آتی ہیں)۔

امی: کیا بات ہے رئیس؟

رئیس: دیکھیے، یہ کچھ بول نہیں رہی ہے۔ نہ جانے اسے کیا

ہو گیا ہے!

امی: افشاں، میری پیاری بیٹی کیا بات ہے؟ بولتی کیوں نہیں؟ دیکھو تمھارے رئیس بھائی آئے ہیں۔ تم بہت دن سے یاد کر رہی تھیں۔ دیکھو تمھارے لیے کیا لائے ہیں۔ ارے واہ کتنا اچھا سوٹ تمھارے لیے لائے ہیں۔

عارفہ: افشاں، رئیس بھائی تمھیں کتنا چاہتے ہیں۔ صرف تمھارے لیے سوٹ لائے ہیں۔

امی: ارے یہ تو اب بھی خاموش ہے۔ کیا ہوا اسے؟ یہ تو کسی قیمت پر خاموش نہیں رہ سکتی۔ عارفہ جلدی سے ڈاکٹر کو فون کر کے بلاؤ۔

امی: امی اسے کچھ نہیں ہوا ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اگر آدھے گھنٹے تک خاموش رہو گی تو میں اسے دس روپے دوں گی۔ شاید، اسی لیے یہ خاموش ہے۔

امی: بھئی! یہ صرف دس روپے کے لیے خاموش ہو گئی؟ مجھے تو یقین نہیں آتا۔

رئیس: افشاں اگر یہ سچ ہے تو میں تمھیں دس بدلے سو روپے دوں گا۔ اے یہ لو سو کا نوٹ لیکن بھئی چپ شاہ کا روزہ توڑ دو۔

امی: ارے! یہ تو اب بھی نہیں بول رہی ہے! الٹا چپ رہنے کا اشارہ کر رہی ہے۔ اس عارفہ کی بچی کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے۔ دیکھو تو میری گلاب جیسی بیٹی کا کیا حال ہو گیا ہے۔ رئیس، اس کو ہنسانے کی کوشش کرو۔

رئیس: ہوں! تو انتر جنتر، نکل کھوپڑی سے ہنسانے کا منتر، اے نکل آیا۔ لو سنو ایک کہانی، کنجوسوں کا باپ، یہ کہانی میرے دادا جان سنایا کرتے تھے۔

ایک کنجوس کی ایک مکھی چوس سے گہری دوستی تھی۔ ایک دن کنجوس نے اپنے مکھی چوس دوست سے کہا، میرے دوست! میں دو سال کے لیے سفر پر جا رہا ہوں۔ تم نشانی کے طور پر اپنی یہ انگوٹھی مجھے دے دو، تاکہ جب کبھی میری نظر تمھاری انگوٹھی پر پڑے تو تمھاری یاد تازہ ہو جائے۔

اس پر مکھی چوس نے بہت سنجیدگی سے سمجھاتے ہوئے کہا:

میرے دوست، اگر تم مجھے یاد ہی رکھنا چاہتے ہو، تو جب کبھی تم اپنی خالی انگلی دیکھو تو یہ سوچ کر مجھے یاد کر لینا کہ تم نے مجھ سے انگوٹھی مانگی تھی مگر میں نے انکار کر دیا۔

عارفہ: ہاہا (ہنستے ہوئے) مزہ آ گیا، رئیس بھائی کس خوب صورتی سے اس مکھی چوس نے اپنے دوست کو ٹرخا دیا۔

رئیس: تمھیں تو مزہ آ گیا لیکن میری افشاں کو خاک مزہ آیا۔ یہ تو صرف مسکرا کر رہ گئی۔

امی: عارفہ، اگر افشاں کو کچھ ہو گیا تو تمھاری خیر نہیں۔

عارفہ: نہیں امی، اسے کچھ نہیں ہوا ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ابھی اس کو ہنساتی ہوں۔ رئیس بھائی، آپ نے کنجوسوں کے باپ کی کہانی سنائی۔ میں کنجوسوں کا دادا سناتی ہوں۔ یہ کہانی میری دادی جان نے مجھے سنائی تھی تو سنیے:

کسی فقیر نے ایک کنجوس کے دروازہ پر آ کر آواز لگائی۔ خدا کے لیے کچھ دے دو۔ خدا تمھارا بھلا کرے گا۔

کنجوس گھر سے باہر آیا اور بہت معصومیت سے بولا..... دیکھو بھائی، اگر تم میری ایک بات مان لو تو میں تمھاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔ فقیر نے بہت عاجزی سے کہا..... میں ہر بات ماننے کے لیے تیار ہوں۔

اِس پر اُس کنجوس نے بڑی سنجیدگی سے کہا..... برائے مہربانی تم مجھ سے کبھی بھی ''کچھ دے دو'' نہ کہنا، اس کے سوا تم جو کہو گے، میں اُسے خوشی سے کرنے کے لیے تیار ہوں۔

رئیس: ہاہا (ہنستا ہے) بھئی واہ! واقعی تمھاری دادی کا کنجوس کنجوسوں کا دادا نکلا۔ مزہ آ گیا، طبیعت خوش ہوگئی لیکن جس کو ہنسانے کے لیے تم نے یہ کہانی سنائی وہ تو اب بھی نہیں ہنسی، صرف مسکرا کر رہ گئی۔

عارفہ: اب تو مجھے بھی فکر ہو رہی ہے۔ خدانخواستہ اسے کچھ ہو تو نہیں گیا۔

امی: اب باتیں نہ بناؤ، جلدی سے جا کر ڈاکٹر کو فون کرو۔

عارفہ: میں ابھی فون کرتی ہوں۔ (فون پر) ہیلو ڈاکٹر صاحب، السلام علیکم، میں جلیل صاحب کی بیٹی عارفہ بول رہی ہوں۔ ڈاکٹر صاحب افشاں نے اچانک بولنا بند کر دیا ہے۔ وہ کچھ بول ہی نہیں رہی ہے۔ نہ جانے اسے کیا ہو گیا ہے۔ پلیز جلدی سے آ جائیے۔

امی: نہ جانے میری بیٹی کو کیا ہو گیا ہے۔ اس کو نظر بھی تو بہت لگتی ہے۔ ابھی تک ڈاکٹر صاحب بھی نہیں آئے!

رئیس: کیا تم مجھ سے بھی ناراض ہو؟ کیا میں چلا جاؤں؟ تم بس اشارہ سے منع کر رہی ہو۔ بول کر کہو پلیز۔

(اتنے میں دیوار پر لگا ہوا کلاک ساڑھے چار بجنے کا اعلان کرتا ہے) اس کے ساتھ ہی افشاں 'امی' کہہ کر اپنی ماں سے لپٹ جاتی ہے۔

افشاں: میری پیاری امی! آپ کتنی اچھی ہیں، رئیس بھائی! آپ میرے لیے اور کیا کیا لائے ہیں؟ ہوں!..... میں سمجھ گئی۔ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ آپ لوگ ناراض نہ ہوں۔ میں کوئی ڈراما نہیں کر رہی تھی، میں تو اس لیے نہیں بول رہی تھی کہ میں نے عارفہ آپا سے آدھا گھنٹے تک خاموش رہنے کا 'وعدہ' کیا تھا۔ بس جیسے ہی گھڑی نے ساڑھے چار بجنے کا اعلان کیا، میں بول پڑی، اب آپ لوگ خود ہی سوچیے اگر میں اپنا وعدہ توڑ دیتی تو کیا عارفہ آپا یا آپ لوگ مجھ پر کبھی بھروسہ کرتے؟ قطعی نہیں کیونکہ کسی 'وعدہ خلاف' پر کبھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

■

Rais Siddiqui
302/11, Shahjahanabad Aparts.
Sector - 11, Dwarka, New Delhi - 110075

فراق جلال پوری

پیڑ پودے

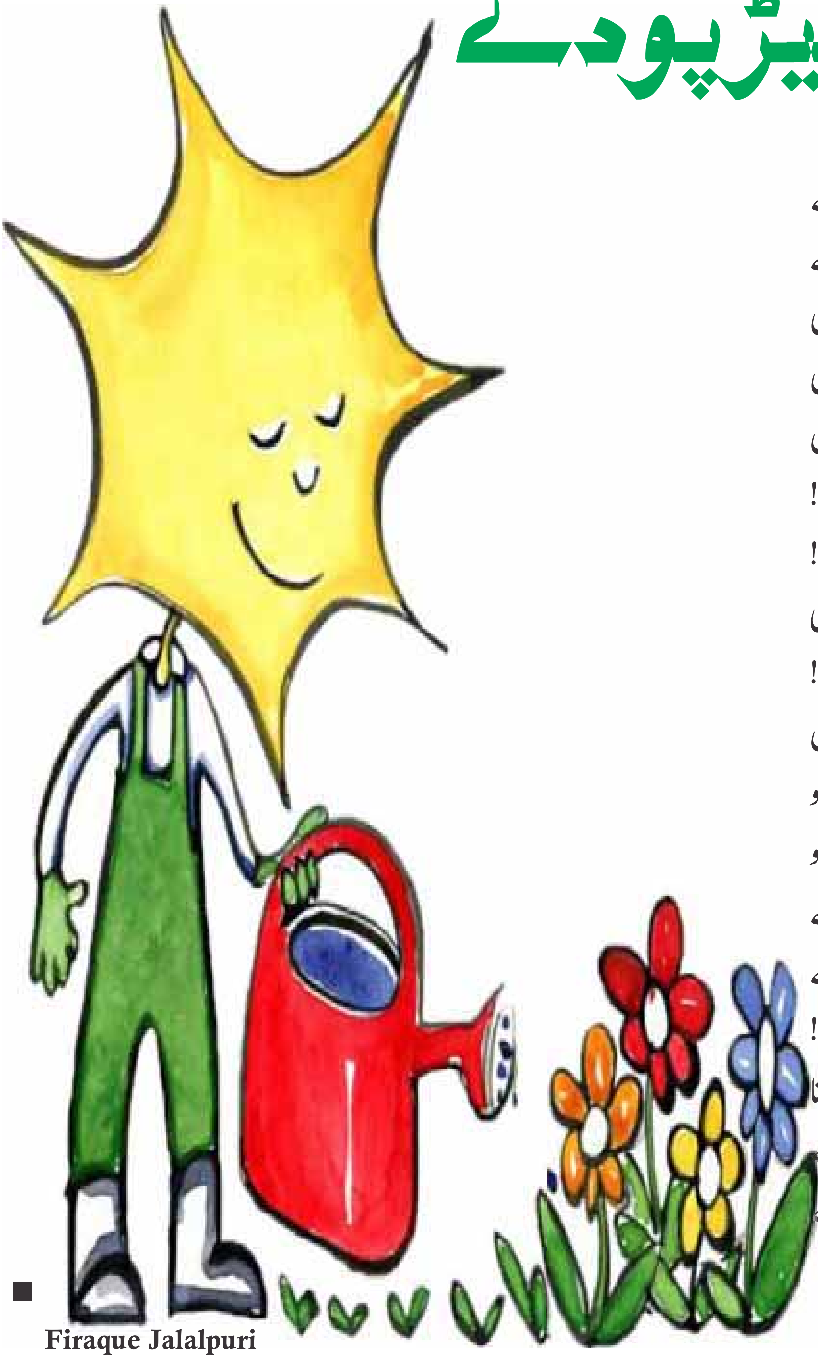

چہچہے صبح و شام چڑیوں کے
کتنی رونق ہے پیڑ پودوں سے
اِن سے ہریالیاں یہاں سے وہاں
سارا ماحول پاک، صاف سماں
کھیت، باغات اِن کے دم سے ہیں
ابر و برسات اِن کے دم سے ہیں!
پیڑ پودوں سے ہے ہوا پانی!
بچو! ان کی کرو نگہبانی
گھر کی یہ آن بان رکھتے ہیں!
پیڑ پودے بھی جان رکھتے ہیں
روز انھیں صبح و شام سینچا کرو
کام یہ بھی بہت ہے اچھا، کرو
پھول پھل سب ہیں پیڑ پودوں سے
رکھنا اِن کو لگا کے سینوں سے
ان سے تم بے خبر نہیں ہونا!
ان کی مٹّی میں ہے چھپا سونا
تازہ تر یہ تمھیں ہوا دیں گے
یعنی بیمار کو شفا دیں گے

Firaque Jalalpuri
Moh: Qazipura, Po: Jalalpur,
Dist.: Ambedkar Nagar - 224149 (UP)

شبیر اصغر

کمپیوٹر رانی

بشریٰ ایک کمپیوٹر لائی
پھر اس کی اک ٹیوٹر لائی
ٹیوٹر نے فنکشن سکھلائے
ماؤس، کی، کرسر دکھلائے
کی، کے سو اور چار بٹن ہیں
سب کے اپنے اپنے فن ہیں
گر ہے انٹرنیٹ کنکشن
کمپیوٹر پر دنیا روشن
دفتر کالج ہو کہ گھر پر
سایہ بن کر ہے یہ سر پر
اس کے بھوت اٹھالاتے ہیں
پل میں پزا ہو کہ بر گر
سر کی باتیں سن سن بشریٰ
ماؤس پکڑے بولی اچھا
تم تو نکلی میری نانی
پیدا کر دو یہ آسانی
کام بہت ہیں میرے سر پر
جب بھی آئیں گھر پر ٹیچر
اے میری کمپیوٹر رانی
سر کو دینا چائے اور پانی

■

Shabbir Asghar
481/1G.T. Road, Shibpur
Howrah - 711102 (W.B)

■ کوثر منیر

آنسو بنے موتی

ظفر علی جو فاریسٹ ڈپارٹمنٹ میں ملازم تھے، آج صبح سے ہی آفس گئے ہوئے تھے، رات میں ہی D.F.O. صاحب آئے ہوئے تھے، آج انسپکشن تھا، رات میں اُن کا قیام سرکاری ڈاک بنگلہ میں تھا۔صبح ہی D.F.O صاحب نے کہلا بھیجا تھا کہ ان کے دوپہر کے کھانے کا انتظام ظفر علی کے ذمے ہوگا اور لنچ میں وہ چکن کھائیں گے۔ان کی یہ فرمائش کوئی نئی بات نہیں تھی وہ جب بھی وِزٹ کو آتے کوئی نہ کوئی فرمائش ظفر علی کو ضرور کرتے،لہٰذا ظفر علی آفس سے گھر آئے، اور افشاں بیگم سے کہا کہ D.F.O صاحب کا دوپہر کا کھانا ان کی طرف ہے، اور لنچ میں صاحب نے چکن کی فرمائش کی ہے، اب اتنا وقت نہیں ہے کہ بازار جا کر چکن لائے بہتر یہی ہے کہ شیرو کو ہی ذبح کیا جائے، اور صاحب کی فرمائش پوری کی جائے۔ ننھی عفت نے جب یہ سنا تو وہ سکتہ میں آگئی۔ اس پر جیسے یک لخت بجلی گر پڑی، اس کا سر چکرا گیا، اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، اس کا دل ڈوبنے لگا وہ زور زور سے چلانے لگی اور اپنے باپ سے التجا کرنے لگی ”نہیں نہ ابو! میرے شیرو کو ہاتھ مت لگائیے، شیرو میرا دوست ہے، میرا کھلونہ ہے، میں اس کے ساتھ دن بھر کھیلتی ہوں نہ! میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی نہ ابو! ابو اسے مت کاٹیے! ننھی عفت دھاڑے مار کر رو رہی تھی اور اپنے باپ سے التجا کرتے جا رہی تھی، پھر وہ ماں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی، امی جان! آپ ابو کو سمجھائیے نہ! وہ میرے شیرو کو مار

ڈالیں گے، ننھی عفت پاگلوں کی طرح چلانے لگی، بے چاری ماں کیا کرسکتی تھی، وہ چپ تھی، اُس کی بھی آنکھوں میں آنسو آگئے، وہ اپنی ننھی بچی کی تڑپ اور بے چینی دیکھ نہیں سکتی تھی، لیکن وہ شوہر کے سامنے بے بس اور مجبور تھی، ننھی عفت نے دیکھ اُس کے ابو نے شیرو کو گود میں پکڑ لیا ہے، وہ دوڑ کر اپنے ابو کے پاس پہنچی اور اس نے باپ کے دونوں پیر مضبوطی سے پکڑ لیے اور گریہ وزاری کرنے لگی، ابو چھوڑ دیجیے میرے شیرو کو! ظفر علی نے اپنے پیر چھڑانے کے لیے ننھی عفت کو زور سے جھٹکا دیا، بے چاری ننھی بچی دور جا گری اب وہ بے خیالی میں کہے جارہی تھی، دادا جان آپ آیئے نہ دیکھیے ابو میرے شیرو کو کاٹنے لے جارہے ہیں، انھیں روکیے نہ دادا جان! انھیں روکیے نہ! ننھی عفت بولے جارہی تھی، بھائی ریحان! ابو ہمارے شیرو کو ذبح کررہے ہیں نہ! بھائی! کہاں ہو تم آؤ نہ! ابو کو روکو نہ! ہمارا شیرو جارہا ہے نہ! بھائی روکو نہ ابو کو! ننھی عفت کی چیخیں سن کر شیرو نے ننھی عفت کی طرف دیکھا جیسے وہ کہہ رہا ہو، اللہ حافظ میرے دوست! اللہ حافظ اب ہم کبھی نہیں ملیں گے! اللہ حافظ، ننھی عفت کی رو رو کر ہچکیاں بند ہوگئی

تھی، وہ فرش پر پڑی ہوئی تھی، اس کی ہچکیاں اب کم ہوتی جارہی تھیں، وہ فرش پر پڑی آہستہ آہستہ بڑبڑا رہی تھی، میرا شیرو، میرا شیرو!

نہ جانے ننھی عفت نے اپنے دادا کو کس درد سے پکارا تھا یا آپ اُسے قدرت کا کرشمہ سمجھے یا پھر ایک ننھی معصوم بچی کی دل کی پکار کہ تبھی گھر کے سامنے ایک رکشا آکر رکا اور اس میں سے احمد رضا صاحب اور ان کی اہلیہ اُتریں، رکشا کے رکنے کی آواز سن کر روتی، بلکتی ننھی عفت یک لخت کھڑی ہوگئی اور اپنے دادا کی طرف دوڑی جو خود بھی دوڑتے ہوئے روتی ہوئی عفت کی طرف آرہے تھے، ننھی عفت دادا کی گود میں جھول گئی اور روتے ہوئے کہنے لگی ''دادا جان، دادا جان،

میرے شیرو کو بچا لیجیے ابو اُسے ذبح کرنے کے لیے لے جارہے ہیں''

ظفرعلی وہیں اپنی جگہ مرغے کو بغل میں دبائے کھڑے تھے، اور اپنے والد کی طرف ایک ٹک دیکھے جارہے تھے، احمد رضا صاحب نے دور ہی سے عفت کو روتے اور چلاتے ہوئے سنا تھا، وہ پہلے ہی غصہ میں آچکے تھے، انھوں نے ظفر علی کی طرف بڑھتے ہوئے غصے میں کہا ''بیوقوف! مرغے کو نیچے چھوڑو! دوسروں کی خوشی کے لیے اپنے بچوں کی خوشی چھین رہے ہو! شرم نہیں آتی تمھیں کہ بچی رو رو کر بے حال ہورہی ہے اور تم اپنے ضد پر اڑے ہو؟ شاید جنگل میں کام کرتے کرتے تم بھی جنگلی جانور بن گئے ہو! میں کہتا ہوں نیچے چھوڑو مرغے کو'' احمد رضا صاحب غصہ میں دہاڑے، ظفرعلی اپنے والد کے غصے سے بخوبی واقف تھے انھوں نے مرغ کو جلدی سے نیچے چھوڑ دیا، ننھی عفت بھی دادا کی گود سے اُتر کر شیرو کی طرف دوڑی اور اسے اپنی گود میں لے کر چومنے لگی، اور میرا شیرو، میرا شیرو کہہ کر پکارنے لگی۔

ظفرعلی ایک مجرم کی طرح باپ کے سامنے کھڑے تھے اور انھیں بڑی شرم اور ہتک محسوس ہورہی تھی کہ باپ نے انھیں اپنی بیوی اور بچوں کے سامنے ڈانٹ کر بے عزت اور ذلیل کیا تھا، تبھی ریحان بھی اسکول سے آگیا اُسے کچھ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہاں کیا کچھ ہوا ہے، اس نے آتے ہی دادا دادی کو دیکھ کر سلام کیا اور پھر اپنے جیب سے رِنگ نکال کر ننھی عفت کو تھما دی، ''لو میں شیرو کے لیے رنگ لے کر آیا ہوں، آؤ ہم اِسے شیرو کے پیروں میں پہنا دیں گے'' ریحان نے اسکول کا بستہ ایک طرف رکھا اور پھر دونوں بہن بھائی شیرو کے پیر میں رِنگ پہنانے لگے، ظفرعلی کی بیوی سکون کا سانس لیے دور کھڑی اپنے آنچل سے آنسوؤں کو پوچھ رہی تھی، یہ خوشی کے آنسو تھے، دادا اور دادی دور کھڑے دونوں بچوں کو اپنے مرغے کے ساتھ کھیلتے دیکھ رہے تھے، دونوں ہی دل ہی دل میں خوش ہورہے تھے اور دونوں ہی کی بوڑھی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے موتی کی طرح چمک رہے تھے، کچھ دیر ماتم کدہ بنا ہوا گھر یک لخت دادا اور دادی کے آنے سے خوشگوار ماحول میں بدل گیا تھا۔

■

Kausar Muneer
Near Qabrastran Masjid, At : P.O. Nandgaon,
Distt. Nasik 423106 (Maharashtra)

■ عادل حیات

چھوٹی سی نادانی

ارشد بہت ہی ہونہار اور قابل لڑکا تھا۔ وہ ذہین تو تھا ہی پڑھنے لکھنے میں بھی بہت محنت کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ناکامی کبھی اس کا مقدر نہ بنی۔ وہ وقت پر اسکول جاتا اور واپس آنے کے بعد بغیر کسی کے کہے ٹیوشن کے لیے چلا جاتا۔ خالی وقت میں اپنے ہوم ورک کے ساتھ ٹیوشن کے کام بھی کر لیا کرتا تھا۔ جب گھر کے تمام افراد سو جاتے تو وہ لالٹین کی دھیمی روشنی میں دیر رات تک پڑھائی کرتا رہتا۔ اس کی لگن کو دیکھ کر امی ابو بہت خوش تھے اور ارشد کی تعریف دوستوں اور رشتہ داروں کے سامنے کرتے ہوئے نہیں تھکتے تھے۔ ارشد ہمیشہ اپنی کلاس میں اول آتا تھا، اس لیے ہم جماعتوں کے ساتھ ساتھ اسے اساتذہ کا بھی ڈھیر سارا پیار ملتا تھا۔ اس نے اپنی پڑھائی لکھائی کے ساتھ دوسرے مقابلوں میں حصہ لے کر بہت سی ٹرافیاں جیتیں اور اپنے والدین کے ساتھ اسکول کا نام روشن کیا۔ وہ ان کامیابیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہائی اسکول میں پہنچ گیا اور نویں جماعت میں داخلہ لے کر حسبِ معمول پڑھائی میں مشغول ہو گیا۔

اس کے گھر سے اسکول کا فاصلہ تقریباً تین سے چار کیلو میٹر رہا ہوگا۔ وہ صبح سویرے تیار ہو کر اسکول کے لیے نکل جاتا۔ کلاس سے فارغ ہوتے ہی کھیل کود میں حصہ لیتا اور شام کو سورج ڈھلنے سے پہلے چھٹی ہوتے ہی گھر چلا آتا۔ کچھ

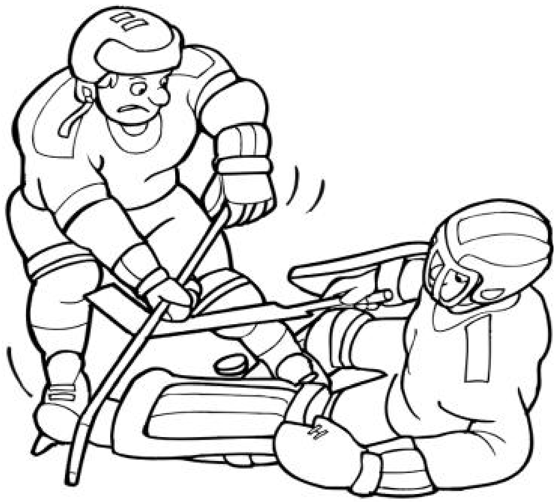

ہی مہینوں میں چھ ماہی امتحان شروع ہوگیا۔ اس نے خوب محنت کی اور ایک بار پھر اپنی کلاس میں ٹاپ کیا۔ اس کی اس کامیابی سے والدین کے علاوہ اساتذہ بھی خوش ہوئے لیکن کچھ ہم جماعتوں نے اس سے حسد کرنا شروع کردیا اور اس کو نیچا دکھانے کی ہر ممکن کوشش کرنے لگے۔ دراصل وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے رہتے ہوئے کلاس میں کوئی دوسرا اچھے نمبروں سے پاس ہوجائے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے ترکیبیں سوچنے لگے۔ ایک دن اسکول کی چھٹی ہونے کے بعد ارشد اپنے گھر کی طرف جارہا تھا کہ ان لوگوں نے راستے میں اس کو روک لیا اور اپنے ساتھ کھیلنے کی پیش کش کرنے لگے۔ ارشد نے پہلے تو منع کردیا لیکن جب ان کا اصرار بڑھتا ہی گیا تو ارشد کو مجبوراً ان کے ساتھ کھیلنے کے لیے تیار ہونا پڑا۔

وہ ایک بار پھر اسکول کے وسیع میدان میں تھے۔ جہاں ہاکی کا میچ شروع ہوا اور دیر تک چلتا رہا۔ رات گئے ارشد گھر پہنچا تو ابو نے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی۔ اس نے کوئی بہانہ بنائے بغیر اپنے دوستوں کے ساتھ ہاکی کھیلنے کی بات کہہ دی۔ ابو نے اس کی بات سن کر بس اتنا کہا:

''بیٹے کھیلنا صحت کے لیے مفید ہے لیکن .....اتنی دیر تک گھر سے باہر رہنا اچھی بات نہیں.....سورج ڈوبنے سے پہلے ہی گھر آجایا کرو۔''

''اچھا ابو.....میں خیال رکھوں گا۔''

اس دن ارشد کھیلتے کھیلتے اس قدر تھک گیا تھا کہ نہ تو ٹیوشن گیا اور نہ ہی وقت پر ہوم ورک کرسکا۔ بغیر کچھ کھائے پیئے ہی لمبی تان کر سوگیا۔ دوسرے دن کلاس شروع ہونے سے چند منٹ پہلے ہی اسکول پہنچ گیا۔ اس کے دوسرے ساتھی بھی دھیرے دھیرے آنے لگے۔ ان میں وہ بچے بھی شامل تھے جن کے ساتھ ارشد نے کل شام ہاکی کھیلی تھی۔ وہ لوگ ارشد کے کھیل کی تعریف کرنے لگے اور باتوں ہی باتوں میں آج پھر سے ہاکی کھیلنے کی دعوت دے دی لیکن ارشد نے منع کرتے ہوئے کہا:

''معاف کرنا.....میں آج نہیں کھیل سکوں گا''

''کیوں.....آخر کیوں''

ارشد کے منع کرنے پر ان میں سے ایک بچے نے تعجب بھرے لہجے میں پوچھا۔ جس کا جواب دیتے ہوئے ارشد بولا:

''زیادہ دیر تک کھیلنے سے تھک جاتا ہوں.....ٹیوشن نہیں جاپاتا اور نہ ہی ہوم ورک کرپاتا ہوں اور ابو بھی دیر سے گھر پہنچنے پر غصہ کرتے ہیں۔''

ارشد کی باتوں سے انہیں اپنی کامیابی کا پختہ یقین ہونے لگا۔ ان کا مقصد ہی ارشد کے ذہن کو پڑھائی لکھائی کی طرف سے منتقل کرنا تھا۔ چنانچہ وہ دل ہی دل میں سوچنے

لگے کہ اگر روزانہ یوں ہی کھیل کود میں الجھا دیا جائے تو ارشد کا دھیان پڑھائی لکھائی سے ہٹ جائے گا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائیں گے۔اس لیے ان میں سے ایک لڑکے نے ارشد کے قریب پہنچ کر مسکراتے ہوئے کہا:

''بھئی ارشد میں کہاں کہہ رہا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ دیر رات تک کھیلتے رہو.....سورج ڈوبنے سے پہلے ہی کھیل ختم ہوجائے گا اور تم اپنے گھر واپس چلے جاؤ گے۔''

ان کی باتوں کو سن کر ارشد نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد ہامی بھر لی۔اس کے بعد روزانہ کا یہ معمول بن گیا۔وہ دیر تک اپنے دوستوں کے ساتھ ہاکی اور دوسرے کھیلوں میں مشغول رہتا۔گھر پہنچتے پہنچتے رات ہوجاتی۔اس درمیان وہ اس قدر تھک جاتا کہ ٹیوشن میں کچھ بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا اور نہ ہی وہ اپنی پڑھائی لکھائی میں دھیان لگا پاتا۔اس کے ذہن میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھیلنے اور سیر وتفریح کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ان دنوں اس کا اٹھنا بیٹھنا اسکول کے چند اوباش قسم کے لڑکوں کے ساتھ بھی ہوگیا تھا۔وہ گھر سے تو اسکول کے لیے ہی نکلتا لیکن کلاس میں نہ جاکر ان لڑکوں کے ساتھ سیر وتفریح کے لیے چلا جاتا۔ادھر اساتذہ اسے کلاس میں نہ پاکر کافی تعجب کرتے اور جب کبھی کلاس میں وہ نظر آجاتا تو اسے سمجھانے کی کوشش بھی کرتے تھے۔کئی دفعہ تو اس کی شکایت ابو تک بھی پہنچائی گئی۔ابو نے بھی اسے بہت سمجھایا اور ماضی کی کامیابیوں کی دہائی دیتے ہوئے آئندہ گندے بچوں سے دور رہنے کی تاکید بھی کی۔ارشد نئی ڈگر پر چلتا ہوا اتنی دور نکل چکا تھا کہ اسے ابو کے ساتھ اساتذہ کی باتیں بھی زہر معلوم ہونے لگیں۔وہ ایسی باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتا تھا۔

اس میں آنے والی تبدیلیوں سے ارشد کے دوسرے ساتھی جو اس سے حسد کرتے تھے بہت خوش تھے۔وہ جانتے تھے کہ ارشد کو جس راستے پر انہوں نے لگا دیا ہے، اس سے واپسی ممکن نہیں۔وہ یہ بھی سمجھنے لگے تھے کہ فائنل امتحان تک سب کچھ ایسے ہی چلتا رہا تو کلاس میں ٹاپ کرنے کی بات تو دور ارشد پاس بھی نہ ہوسکے گا۔چنانچہ انہیں اپنی کامیابی کا پختہ یقین ہونے لگا۔وہ پڑھائی میں جی توڑ محنت کرنے لگے۔ادھر ارشد کا رویہ بالکل نہیں بدلا۔وہ گھر سے تو ضرور نکلتا لیکن اسکول پہنچے بغیر راستے ہی سے اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں اور نکل جاتا۔نہ تو اسے کلاس کرنے کا ہوش تھا اور نہ پڑھائی لکھائی کی فکر۔اب تو امتحان بھی سر پر آگیا تھا۔دوسرے بچے امتحان کی تیاریوں میں مشغول ہوگئے تھے لیکن ارشد اس سے غافل موج مستیوں اور سیر وتفریح میں ہی وقت

برباد کرتا رہا۔

امتحان کا زمانہ آیا اور چلا گیا۔ زیادہ تر بچوں نے پوری تیاریوں کے ساتھ امتحان دیا تھا۔ اس لیے ان کے چہرے چمک رہے تھے۔ ارشد کے چہرے پر وہ خوشی دکھائی نہیں دے رہی تھی جو اس کے دوسرے ساتھیوں کے چہروں پر تھی۔ شاید امتحان کی اچھی تیاری نہ ہونے کی وجہ سے اس کے پیپر اچھے نہیں گئے اور اسے اپنی ناکامیابی کا پہلے ہی سے اندازہ ہوگیا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی سوچتی ہوئی لگ رہی تھیں اور پیشانی پر پڑے ہوئے بل دور ہی سے دکھائی دے رہے تھے۔ امی ابو کو بھی اندازہ تھا کہ دوستوں اور کھیل کود کے چکر میں اس نے امتحان کی اچھی طرح تیاری نہیں کی ہے۔ اس کے باوجود انہیں ارشد کی کامیابی کا یقین تھا۔ آخر کار نتیجہ بھی آ گیا۔ اس کے دوسرے ساتھی امتیازی نمبروں سے پاس ہوئے لیکن ارشد نہ صرف فیل ہوا بلکہ بہت سے سبجیکٹ میں اس کے کم سے کم نمبر آئے۔ کی

ارشد کی ناکامی پر اساتذہ بہت ہی مایوس ہوئے۔ انہیں ایک اچھے شاگرد کا اس طرح سے فیل ہونا اچھا نہیں لگا۔ امی ابو بھی دکھی تھے۔ انہیں تو یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ ایک ہونہار اور قابل اعتماد لڑکا غلط بچوں کی صحبت میں رہ کر اس طرح برباد ہوسکتا ہے۔

ارشد بھی اپنی اس ناکامی سے بہت ہی شرمندہ ہوا اور دوسروں سے آنکھیں ملاتے ہوئے کترانے لگا۔ اسے احساس ہوگیا تھا کہ غلط بچوں کو اپنا ساتھی بنا کر اس نے اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ وہ سوچنے لگا اگر ایسا نہیں کرتا اور میں امی ابو کے ساتھ اساتذہ کی باتوں پر کان دھر لیتا تو کامیاب بچوں کی فہرست میں اس کا نام بھی نمایاں ہوتا اور کسی سے آنکھیں چرانے کی نوبت نہیں آتی۔ امی ابو اس کی خاموشی کے پیچھے چھپے درد کو بھانپ گئے اور ایک دن اسے اپنے پاس بلا کر سمجھاتے ہوئے کہنے لگے:

”بیٹا! ..... ہر کسی کی زندگی میں ایسا دن آتا ہے ..... سمجھدار لوگ وہی ہیں جو اس دن کو برے سپنے کی طرح بھلا کر زندگی کی راہ میں آگے نکل جاتے ہیں..... تم بھی اسے ایک برا سپنا سمجھ کر بھلا دو اور .....اور پھر سے محنت کرو انشاءاللہ کامیابی ضرور تمہارے قدم چومے گی۔“

ارشد ان کی باتوں کو سن کر بہت متاثر ہوا۔ چھٹیوں کے بعد جب اسکول گیا تو اس کے ارادے بہت ہی پختہ تھے۔ اس نے اپنی ناکامی کو بھلا کر دل ہی دل میں طے کر لیا تھا کہ اب کبھی بھی کسی کے بہکاوے میں نہیں آئے گا اور نہ ہی خراب بچوں صحبت میں رہے گا۔ وہ اس سال کے امتحان میں لگے ناکامی کے داغ کو اپنی لگن اور محنت سے مٹا دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ماضی کی تمام غلطیوں اور کوتاہیوں سے سبق لے کر ایک نئی امید کے ساتھ آگے کا سفر شروع کیا۔

اس میں آئی ان تبدیلیوں کو دیکھ کر امی ابو کے ساتھ اس کے اساتذہ کو بھی یقین ہوگیا ہے کہ وہ امسال نہ صرف امتیازی نمبروں سے پاس ہو جائے گا بلکہ اپنی لگن اور محنت سے کلاس میں ٹاپر کہلانے کی اپنی روایت کو بھی زندہ کر دکھائے گا۔

■

Dr. Adil Hayat
37/89, G.Floor, Woodside Aprt.no-01,
Ghaffar Manzil, New Delhi - 110025

زیبا فاروقی

پہلی پرواز

چوں چوں چوں چوں۔ ماں کو آتا دیکھ کر دونوں بچے دور سے ہی خوشی کے مارے چلاّنے لگے۔ قریب آ کر ماں چڑیا نے موٹو اور چھوٹو کی چونچ میں دال کا ایک ایک دانہ ڈالا اور باقی دانے سنبھال کر ایک طرف رکھ دیے۔ ماں کو آرام کرتے دیکھ کر دونوں بچے بھی اُسی کے قریب سمٹ آئے۔

''اب کل سے میں تم لوگوں کو اڑنا سکھاؤں گی۔'' میں نے بڑے پیار سے کہا۔

''کل سے؟'' دونوں چونک پڑے۔

''ہاں۔ کیوں کیا ہوا؟''

''لیکن امّاں ہم تو ابھی چھوٹے ہیں؟''

''اور ہمارے پر بھی تو بہت چھوٹے اور کمزور ہیں۔''

''اور باہر کی دنیا تو بہت ہی بڑی ہے۔''

''اچھی اماں۔ کچھ دن بعد سہی۔ ابھی ہمیں ڈر لگتا ہے۔''

''نہیں بچوں۔ یہ تمھاری اڑنے کی صحیح عمر ہے۔ سیکھو گے تبھی تو من کا ڈر نکلے گا۔ دیکھو میں بھی تو روز کتنی دور تک اڑتی ہوں۔'' چڑیا نے چھوٹو اور موٹو کو سمجھایا۔

دونوں کی سمجھ میں خاک نہ آیا۔ خاموش دبکے پڑے رہے۔ پڑے پڑے سو گئے۔ صبح کو ماں نے اڑنے کے لیے کہا تو زور زور سے رونے لگے۔ ہار کر ماں چڑیا چلی گئی۔

پھر ایک روز کی بات ہے۔ موسم بڑا پیارا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ چاروں طرف پھول کھلے ہوئے تھے۔ چرند پرند سب موسم کا مزہ لے رہے تھے۔ چھوٹو اور موٹو اپنے گھونسلے میں بیٹھے یہ دلفریب منظر دیکھ رہے تھے۔ ان کی ماں دانہ لینے گئی ہوئی تھی۔

''بھائی موٹو! میرا بہت دل ہو رہا ہے کہ میں بھی باہر جا کر سب کی طرح موسم کا لطف اٹھاؤں۔'' چھوٹو نے

دھیرے سے کہا۔

''ہاں چھوٹو! دل تو میرا بھی بہت ہورہا ہے۔لیکن کیا کریں۔ہمیں تو اڑنا ہی نہیں آتا۔'' موٹو نے دکھ سے جواب دیا۔

''کاش ہم اس دن اماں کی بات مان لیتے تو آج ہم بھی اڑتے پھرتے۔''

''کاش.....''

''کاش.....''

اتنے میں دور سے ماں آتی دکھائی دی۔ دونوں نے وہیں سے اماں کو آوازیں لگانی شروع کردیں۔ چوں چوں چوں کرکے گھونسلا سر پر اٹھالیا۔

''کیا بات ہے۔کیا بہت بھوک لگی ہے؟''

ماں چڑیا نے پوچھا۔

''نہیں اماں۔کھانا نہیں۔''

''اماں ہم باہر جائیں گے۔''

''اماں ہمیں اڑنا سکھاؤ نا۔''

ماں چڑیا بولی:

''لیکن تم کو تو ڈر لگتا ہے۔''

''ابھی تم چھوٹے ہو
اور باہر کی دنیا بہت بڑی ہے.....''

''اچھی اماں! غصہ نہ کرو۔'' موٹو اور چھوٹو نے سر جھکا کر ایک ساتھ کہا۔

ماں چڑیا کو ہنسی آگئی۔ وہ دونوں کو لے کر گھونسلے سے باہر آئی۔انھیں ایک شاخ سے دوسری شاخ تک اڑنا بتایا۔

''دیکھو۔ اپنے پروں کو اس طرح ہلاؤ اور میرے پیچھے آؤ۔ ہمت کرو۔شاباش۔''

ماں چڑیا نے ان کا حوصلہ بڑھایا۔

پہلے موٹو نے کوشش کی۔اس نے ماں کی طرح پر ہلائے اور ہوا میں کود پڑا۔ارے، وہ تو نہیں گرا۔لو، وہ تو بیکار ہی ڈرتا تھا۔اس کا ہلکا پھلکا جسم ہوا میں تیر رہا تھا۔نہیں نہیں۔ وہ تو اڑ رہا تھا۔اب وہ قریب والی شاخ تک پہنچ گیا تھا۔

اب چھوٹو آگے بڑھا۔ وہ بھی ذرا سی کوشش سے دوسری شاخ تک پہنچ گیا۔ بہت جلد دونوں ایک شاخ سے دوسری شاخ تک اڑ رہے تھے اور سہانے موسم کا مزہ لے رہے تھے۔ درخت پر رہنے والے سبھی پرندوں نے ان کی پہلی پرواز پر داد دی۔

موٹو اور چھوٹو بہت خوش تھے۔ ان کی سمجھ میں آگیا تھا کہ ہمت کے ساتھ آگے بڑھنے پر ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

■

Zeba Farooqui C/o Mr. Waris Rafi
GC IV, 0/3, Ganga Canal Colony,
Lal Diggi, Aligarh - (UP)

مترجم: انیس الدین ملک

ایک کیمیاداں نے خواب دیکھا

فریڈرک اگست کیکولے، آرچی ٹیکٹ کا طالب علم، کیمیا کا پروفیسر اور دن میں خواب دیکھنے والا، 1829 میں جرمنی میں پیدا ہوا۔ اسکول چھوڑنے پر یونی ورسٹی میں اس نے Architecture کا مطالعہ کیا اور جلد ہی علم کیمیا کی طرف رجحان کیا۔ زندگی کے بقیہ حصے میں اس نے اپنے اس کام پر کہ ایٹم ایک دوسرے کے ساتھ مل کر Molecules بناتے ہیں، ہمہ گیر شہرت حاصل کرلی۔ جوانی کے زمانے میں Architecture کی طرف دلچسپی نے اس کو Molecules کی ساخت کے مطالعہ کی طرف مائل کیا۔

انیسویں صدی کے وسط کے قریب کیمیادانوں نے ہر عنصر کو ایک نمبر دیا جو اس کی کسی دوسرے کے ساتھ ملنے والی طاقت (Combining Power) یعنی (Valency) کہلاتی ہے۔ مثال کے طور پر انھوں نے ہائیڈروجن کی ملنے والی طاقت کو ایک اکائی، آکسیجن کو دو اکائی، نائٹروجن کو تین اور کاربن کو چار اکائیاں دیں۔ کیکولے اس کام میں سب سے آگے تھا اور اس نے مندرجہ ذیل دی ہوئی تصویروں کو ایٹموں کو دکھانے کے لیے استعمال کیا۔ (ان کو Kechulic's Sausages کہتے ہیں۔)

ایک کاربن ایٹم	4 اکائیاں
ایک نائٹروجن	3 اکائیاں
ایک آکسیجن ایٹم	2 اکائیاں
ایک ہائیڈروجن ایٹم	1 اکائی

اس نے ان ایٹموں کی تصویروں کو Molecule کی نمائندگی کے لیے ملایا۔

اس طرح کاربن ڈائی آکسائڈ کے ایک Molecule کو یوں دکھایا گیا۔

تاہم بیشتر کیمیادانوں نے ایک سلیس طریقے کو فوقیت دی اور ہر کسی نے ایک رابطے کو ایک چھوٹی سی سیدھی لکیر کے ذریعے دکھایا۔

پس انھوں نے کیکولے کی زنجیری تصویر کو مارش گیس، کلوروفارم اور کاربن ڈائی آکسائڈ کے لیے لکھا۔ ہر ایٹم کے لیے لکیروں کی تعداد اس کی ملنے کی طاقت کی اکائیوں کے برابر تھی۔

کیکولے کو ان مول کیول کی ساخت کی تصویروں بنانے میں کچھ مشکلیں پیش آئیں۔ جیسے ایتھیں جس میں دو کاربن ایٹم ہوتے ہیں اور چھ ہائیڈروجن ایٹم۔ اس کی ساخت کے لیے 2x4=8 عدد کاربن سے رابطے ہونے چاہئیں۔ لیکن صرف چھ ہائیڈروجن موجود ہیں۔

اس نے اس مسئلے کو بڑی بیباکی سے حل کیا۔ اس نے یہ مان لیا کہ ایک مولی کیول کو اس کے الفاظ میں ''سب سے آسان اور سب سے زیادہ اغلب ساخت ہونا چاہیے۔'' اس لیے ایتھین کے مولی کیول کی ساخت کو تصویر سے یوں دکھا سکتے ہیں۔

یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ کاربن ایٹموں کے ملانے والی کڑیوں پر ایک کڑی کاربن ایٹم کی ایک کڑی سے مل کر بنی ہے۔

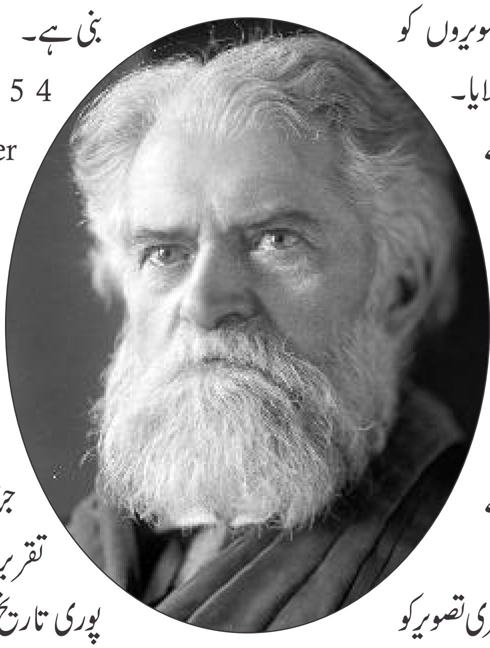

1954 میں کیکولے کیمیا کے Visiting lecturer کی حیثیت سے انگلینڈ آیا اور ایٹموں کے ملانے کا دھیان اس کے دماغ میں لندن کے قیام کے دوران آیا۔ مندرجہ ذیل کہانی کا انکشاف اس نے 1890 میں جرمن کیمیکل سوسائٹی کے سامنے تقریر کے دوران کیا جو سائنس کی پوری تاریخ میں سب سے زیادہ قابلِ توجہ بس کی سواری ہے۔

''لندن کے قیام کے دوران میں کچھ وقت کے لیے کلیپ ہام روڈ جو کامن کے پڑوس میں تھی، رہتا تھا۔ تاہم میں بیشتر شامیں اپنے دوست کے ساتھ اسلنگٹن میں گذارتا تھا جو اس بڑے شہر کے دوسرے سرے پر تھا۔ ہم بہت سارے موضوع پر بات کرتے تھے۔ لیکن بیشتر اپنے پیارے علم کیمیا کے بارے میں۔ ایک خوبصورت گرمی کی شام کو میں آخری گاڑی سے واپس لوٹ رہا تھا۔ باہر میٹروپلس کی سڑکیں ویران تھیں جو دیگر اوقات میں انسانوں سے بھری رہتی تھیں۔ میں خیالات میں غرق تھا اور میری آنکھوں کے سامنے ایٹم اچھل کود رہے تھے۔ اب تک جب کبھی یہ ننھے ذرّے میرے سامنے آتے تو حرکت میں ہوتے تھے لیکن میں ان کی حرکت واطوار کی صحیح شناخت نہیں کرپاتا تھا۔ لیکن اب میں نے دیکھا کہ کس طرح کثرت سے دو ایٹم مل کر ایک جوڑ ابناتے ہیں۔ کس طرح ایک بڑا ایٹم دو چھوٹے

ایٹموں کو گلے لگاتا ہے اور کس طرح اور بڑا ایٹم تین یا چار چھوٹے ایٹموں کو باندھے رہتا ہے۔ جبکہ وہ پوری طرح گھوم کر ایک حلقے میں ناچ رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ کس طرح بڑے ایٹم مل کر ایک زنجیر بناتے تھے اور چھوٹے کو اپنی طرف گھسیٹ رہے تھے۔ لیکن زنجیر کے آخری سرے پر کنڈکٹر کی پکار ''کالیا ہم روڈ'' نے مجھے میرے خواب سے جگادیا۔ لیکن میں نے اس رات کا ایک بڑا حصہ خواب میں نظر آئی تصویروں کو ایک کاغذ پر کھینچنے میں خرچ کیا۔

اس کے خوابوں میں چھوٹے ایٹم وہ تھے جن کی ایک کڑی تھی۔ بڑوں کی دو اور اس سے بڑے کی تین یا چار کڑیاں۔ دو چھوٹے ایٹم مل کر ایک ''خوابی جوڑ'' بنے۔ مثال کے طور پر ہائیڈروجن کے ایک ایٹم اور کلورین کے ایک ایٹم جس سے ہائیڈروجن کلورائڈ کا ایک Molecule بنا۔ یعنی H-CL اس Molecule میں دونوں میں سے ہر ایک کی ایک ایک کڑی نے ایک ملی ہوئی لنک بنائی۔ اسی طرح بڑے ایٹم کا دو چھوٹے ایٹموں کو گلے لگانا، آکسیجن کے ایٹم کا ہائڈروجن کے دو ایٹموں کو گلے لگانا تھا، جس سے پانی کا ایک Molecule بنتا ہے H-O-H، جبکہ اور بڑے ایٹموں کا 3 یا 4 چھوٹے ایٹموں کو گلے لگانا نتیجے میں امونیا یا مارش گیس کے Molecule کا بننا ہے۔

لیکن کیکولے کو اب بھی بہت سارے مسائل حل کرنے تھے۔ خاص طور سے ایک کمپاؤنڈ بینزین کا مسئلہ جو بہت ساری دشواریاں پیدا کر رہا تھا۔ اس کمپاؤنڈ کے ایک Molecule میں چھ کاربن ایٹم ہوتے ہیں اور اس طرح 24 کاربن کڑیاں، لیکن صرف چھ ہائیڈروجن جن میں سب ملا کر چھ کڑیاں ہوتی ہیں۔ اس لیے مسئلہ اس Molecule کی ساخت کی تصویر بنانے کا تھا جن میں کڑیاں کاربن کی 24 ہائیڈروجن کی چھ کڑیوں کو نرم کر سکے۔

ایک بار پھر اس مسئلے کا حل ایک خواب میں نظر آیا جب وہ اپنے گھر گینٹ میں آگ کے سامنے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس خواب کا حال اس نے اس طرح بیان کیا ہے۔

''ایک شام میں بیٹھا اپنی درسی کتاب پر کچھ لکھ رہا تھا۔ لیکن کام میں کوئی ترقی نہیں ہوئی اس لیے کہ اس وقت ہمارے خیالات کہیں اور تھے۔ میں نے اپنی کرسی آگ کے قریب کر لی اور اونگھنے لگا۔ ایک بار پھر ایٹم میری آنکھوں میں اچھل کود رہے تھے۔ اس بار چھوٹے گروپ انکساری کے ساتھ پس پردہ میں تھے۔ ہمارے دماغ کی آنکھ جو اس قسم کے نظاروں کو بار بار دیکھنے کی عادی ہوگئی تھی، اب اور بڑے ساخت کی تمیز کر سکتی تھی جیسے لمبی قطاروں کی۔ کبھی کبھی ایک دوسرے کے ساتھ بندھی ہوئی سب بل کھاتی ہوئی سانپ کی حرکت کی طرح۔ لیکن ارے، یہ کیا تھا؟

ان میں سے ایک سانپ نے اپنی ہی دم کو پکڑ لیا اور یہ شکل میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی۔ میں بجلی کی طرح جاگ اٹھا اور باقی رات اس Hypothesis سے پیدا شدہ منطقی نتائج پر کام کرتے ہوئے گذاری۔''

کیکولے نے اپنا بیان جاری رکھا۔ ''ہمیں خواب دیکھ کر سیکھنا چاہیے تب ہی ہم شاید سچائی کو پاسکیں لیکن ہم اپنے خوابوں کو اس وقت تک نہ چھپوائیں جب تک کہ یہ جاگتی ہوئی حالت میں سچ ثابت نہ ہو جائیں۔

اس کے خواب میں اس کی دماغی آنکھ نے تمیز کی ایٹموں کی لمبی قطاروں کی جو بینزین کے Molecule بن گئے جن کو مندرجہ ذیل تصویر میں دکھلایا گیا ہے۔ ہر کاربن ایٹم کی چار

کڑیاں تعین کرنے کے لیے اس کو کاربن ایٹوں کے بیچ دوہری کڑی شامل کرنی پڑی جیسا کہ دکھایا گیا ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ پہلے کاربن ایٹم کی ایک کڑی اور آخری کاربن ایٹم کی ایک کڑی اب بھی جڑی ہوئی نہیں ہے۔''

H	H	H	H	H	H
I	I	I	I	I	I
-C =	C -	C =	C -	C =	C -

اس طرح کے ایٹوں کی قطاریں اس کے خواب میں ''دھویں کے سانپ'' کی مانند گردش کررہے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک سانپ نے اپنی ہی دم پکڑلی۔ اس سے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ پہلے اور آخری کاربن ایٹوں کی کڑیاں جڑ جاتی ہیں۔ جس سے چھ کاربن ایٹوں کا ایک چھلہ بنتا ہے جس میں سب کاربن ایٹم ملتے ہوتے ہیں۔

بہت سی اشیاء ایسی ہیں جن کی خصوصیات میں ایسی ہی یکسانیت پائی جاتی ہے جیسی ایک خاندان کے افراد ہیں۔ کیکولے جانتا تھا کہ نبزین کے خاندان کا ہررکن ہر ردعمل میں ایک خاص شے بناتی ہے جس کے خاندان میں کم ازکم چھ کاربن ایٹم ہوتے ہیں۔ اس سے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس خاندان کے ہررکن میں چھ کاربن ایٹم کا گروپ موجود ہے۔ یہ اور دوسری وجوہات کی بنا پر اس نے بنزین کا مندرجہ ذیل فارمولا رکھا۔

یہ ہشت پہل جسے بنزین رنگ یا Molecule کہتے ہیں، ظاہر کرتا ہے کہ چھ کاربن ایٹم کی یونین اتنی طاقتور ہے کہ یہ سوائے بہت ہی شدید قسم کے کیمیاوی ردعمل کے ٹوٹ نہیں سکتی ہے۔ اس چھلے کو عموماً نویسی میں اس طرح دکھاتے ہیں:

کیکولے کا بیبا کی کے ساتھ بنزین کو Ring کی شکل میں دکھانا، بعد میں ایکسرے اور دوسری جدید آزمائشوں کے ذریعے ثابت ہوا۔ اور یہ پتہ چلا کہ بنزین کے چھ کاربن ایٹم ہشت پہل کی شکل میں بندھے ہوتے ہیں۔

کیکولے کے نظریے کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ کیمیادانوں کو بہت سے مسئلوں کی معقول تشریح پیش کرنے میں آسانی فراہم ہوئی۔ جن کی اس سے قبل تشریح کرنا مشکل تھا لیکن آخری نتیجے کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ Mulecule کی موجودگی جان کر کیمیاداں بہت سی ایسی اشیاء کو بنا سکے جن کا بنزین سے تعلق ہے۔ یہ ساری اشیاء اپنے فارمولے میں اس کا Molecule رکھتی ہیں۔

پروفیسر جیپ نے کیکولے کے یادگاری لکچر کو ان الفاظ میں ختم کیا۔

''کیکولے کی پیشن گوئیوں نے سائنس کی تحقیقاتی پہلو کے لیے جو کارنمایاں انجام دیا وہ شاید کسی اور محقق نے نہ دیا ہو۔ اس کا کام خیالات کی طاقت کے استعمال کی عمدہ مثال ہے۔ ایک فارمولا جسے چند کیمیاوی نشان کو کاغذ پر لکھ کر اور لکیروں سے ملاکر ظاہر کیا گیا، نے اتنا مواد فراہم کیا کہ یہ کیمیاں دانوں کی ایک پشت کے لیے ایک تحریک بنی اور دنیا میں ایک نہایت پیچیدہ صنعت کو قائم کرنے میں مشعلِ راہ ثابت ہوئی۔ گرچہ کیکولے کے بتائے ہوئے راستے پر ابھی بہت سی تحقیقات کرنا باقی ہے اور جب اس کام کی مکمل تکمیل ہوجائے گی تو اگست کیکولے کے سوا کوئی دوسرا شخص بھی اس احسان کا اہل نہیں ہوگا۔''

ماخذ: (سائنس کی کہانیاں)
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

کہکشاں

چمن چمن کے پھول

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں
مرزا غالب

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہے جسے
غالب

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گُم ہوجا
نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی نہ افغانی
اقبال

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے
علامہ اقبال

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری
علامہ اقبال

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
علامہ اقبال

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر
علامہ اقبال

یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری
علامہ اقبال

اک عمر میں نہ سمجھے جس کو زمین والے
وہ بات پاگئے ہم تھوڑی سی زندگی میں
ہے ربطِ باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

علامہ اقبال

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

علامہ اقبال

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

علامہ اقبال

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

مولانا محمد علی جوہر

آپس میں موافق رہو طاقت ہے تو یہ ہے
دیکھو نہ بہم عیب محبت ہے تو یہ ہے
صحت بھی ہو، روزی بھی ہو، دل کو بھی ہو تسکین
دنیا میں بشر کے لیے نعمت ہے تو یہ ہے

اکبر

ایک قرآں، ایک قبلہ، ایک اللہ، اک رسول
بدنصیبی ہے کہ تفریقِ دوامی ہوگئی
تفرقوں کے یہ طوفاں ہیں بپا کچھ کم تو ہوں
ہم کو کرنا چاہیے سب کچھ مگر ہم ہم تو ہوں

اکبر

کچھ اور بڑھ گئے ہیں اندھیرے تو کیا ہوا
مایوس تو نہیں ہیں طلوعِ سحر سے ہم

ساحر لدھیانوی

عجیب لوگ ہیں کیا خوب منصفی کی ہے
ہمارے قتل کو کہتے ہیں، خودکشی کی ہے

حفیظ میرٹھی

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشیدِ مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا کام بنے

ابوالمجاہد زاہد

حیات لے کے چلو، کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو

مخدوم محی الدین

■

(ادارہ)

ماں

■ محمد ثاقب منیار

- خدا نے کہا: ماں میری طرف سے قیمتی اور نایاب تحفہ ہے۔
- جنت نے کہا: ماں وہ ہستی ہے جس کے قدموں تلے جنت ہے۔
- اولاد نے کہا: ماں کے پاؤں تلے جنت ہے۔
- سمندر نے کہا: ماں ایک ایسی ہستی ہے جو اولاد کے لاکھوں غم اپنے اندر چھپالیتی ہیں۔
- شاعر نے کہا: ماں ایسی ہستی ہے جو ہر دل والے کے دل میں اتر جاتی ہے۔
- حالی نے کہا: ماں باغ کا وہ خوبصورت پھول ہے جس سے باغ میں خوبصورتی اور خوشبو ہے۔
- جج نے کہا: ماں وہ ہستی ہے جس کی تعریف کے لیے دنیا میں حرف نہیں ملتے۔
- زخمی نے کہا: ماں کی دعا ہی میری دوا ہے۔
- طوفان نے کہا: ماں ایک ساحل ہے۔
- موسم نے کہا: ماں ساون کا پہلا قطرہ ہے۔
- میں نے کہا: ماں نور ہے، مہک ہے، پھول ہے، رنگ ہے، ممتا ہے، دعا ہے، محبت ہے، تحفہ ہے اور انمول جذبہ ہے۔

■

Mohd Saquib
Sofi Chowk, Bargaon

■ ندا محمد سلام رنگریز

اچھی باتیں

- جھوٹی قسم نہ کھاؤ اور لوگوں کو جھوٹی قسمیں کھانے پر آمادہ نہ کرو، ایسا کرنے سے تم خود بھی گناہ میں شریک ہوجاؤ گے۔
- جھگڑے میں کودنا آسان ہے لیکن نکلنا بہت مشکل۔
- دوست کو بھی راز کی بات مت کہو ممکن ہے وہ کل تمھارا دشمن ہوجائے۔
- جاہل لوگوں سے کم ہی ملا کرو، ورنہ وہ تجھے بھی جاہل بنا دیں گے۔ (حضرت لقمانؑ)
- جو آدمی اپنے آپ کو عالم کہے وہ جاہل ہے اور جو اپنے آپ کو جنتی بتائے وہ جہنمی ہے۔ (حضرت فاروقؓ)

■

Nida Mohd Salam Rangrez
Millat High School, Mehroon Jalgoan

وقت

■ قاضی اکرام الدین

■ وقت جا کر واپس نہیں آتا۔
■ وقت ایک لمحہ ہے جس میں قوموں کی تقدیر پوشیدہ ہے۔
■ وقت ایک ایسی دہلیز ہے جس پر بیٹھ کر انسان اپنی تقدیر کا رونا روتا ہے۔
■ وقت ایک اجنبی پرندہ ہے جو اگر ہاتھ سے نکل جائے تو کبھی واپس نہیں آتا۔
■ وقت کے دروازے سے کامیاب لوگ ہی گذرتے ہیں۔
■ جو لوگ وقت کی ناقدری کرتے ہیں وقت اُنھیں ٹھکرا دیتا ہے۔
■ وقت اس طرح پھسل جاتا ہے جیسے ہاتھوں سے ریت۔
■ وقت پھولوں کی سیج ہے اور کانٹوں کا تاج بھی۔
■ وقت کا صحیح استعمال کرنے والا عقلمند کہلاتا ہے۔
■ خوشحالی کا وقت جلد کٹتا ہے تکلیف کا وقت طویل محسوس ہوتا ہے۔
■ وقت ایک ایسا راستہ ہے جو اگر نصیب ہوجائے تو کامیابی کی صورت میں ڈھل جاتا ہے۔
■ کسی قریبی رشتہ دار کے انتقال کے بعد وقت گزارا نہیں جاتا بس گزر جاتا ہے۔
■ صحیح وقت پر اگر کام شروع ہو تو سمجھو آدھا کام پورا ہوگیا۔
■ وقت ایک بیش قیمت سرمایہ ہے۔

■

Quazi Ikramuddin
410, SR. NO.55, Shafi Nagar Near Primary School No. 31, Malegaon, Distt. Nasik - 423203 (MS)

اقوالِ زریں

■ محراج دین

■ اگر تم کسی کو خوشی نہیں دے سکتے تو غم بھی نہ دو۔
■ اپنے دل کے زخم اُن لوگوں کو مت دکھاؤ جن کے پاس تمھارے زخموں کا مرہم نہ ہو۔
■ دنیا میں وہی لوگ سربلند رہتے ہیں جو تکبر کے تاج کو اپنے سر سے اُتار پھینکتے ہیں۔
■ عزت ایک انمول موتی ہے جو ایک بار ضائع ہوجانے کے بعد دوبارہ حاصل نہیں ہوتی۔
■ اگر وفا کا درس لینا ہو تو پھولوں سے حاصل کرو جو پودے سے جدا ہوتے ہی مرجھا جاتے ہیں۔
■ جو شخص اُوپر والے سے ڈرتا ہے اس سے سب ڈرتے ہیں۔
■ سادہ زندگی گزارنا ایمان کی نشانی ہے۔
■ بھروسہ ایک ایسا پھول ہے جو شک کی ہوا لگتے ہی مرجھا جاتا ہے۔
■ حیا ایمان ہے اور ایمان کا بدلہ جنت ہے۔
■ وقت سے پہلے ہرگز اپنے ارادے کا اظہار نہ کرو۔
■ مسکراہٹ روح کا دروازہ کھول دیتی ہے۔
■ غصہ ایک ایسی آندھی ہے جو دماغ کا چراغ بجھا دیتی ہے۔

■

Peerzada Mehraj Din
Post Office: Sallar - 192402 (J&K)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں۔

جے پور (راجستھان) کے کچھ مشہور اور اہم سیاحتی مقامات

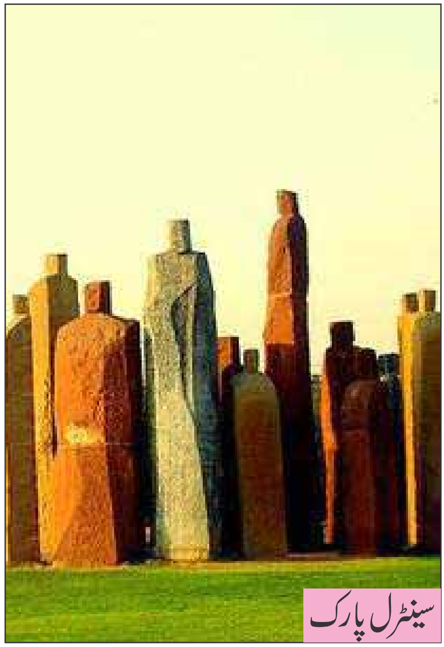
سینٹرل پارک

ہوا محل

امبر فورٹ

برلا مندر

سِٹی پیلیس

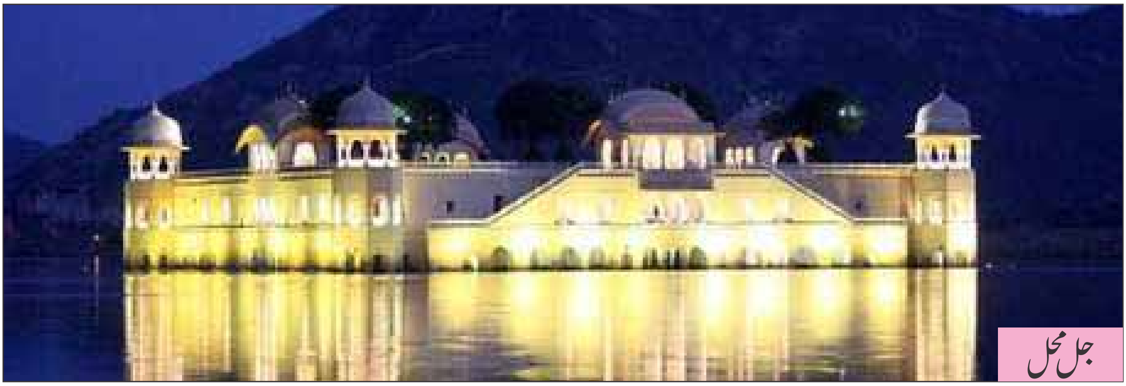

جل محل

رام باغ پیلیس

چوکھی دھانی

ناہرگڑھ فورٹ

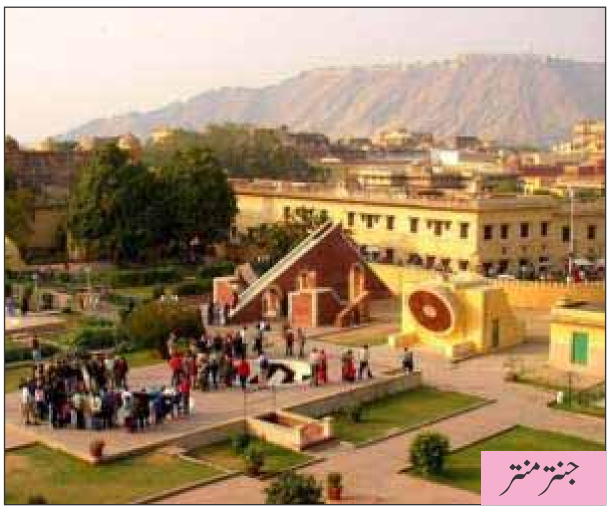

جنتر منتر

اردو کے کچھ اہم ادبا و شعرا

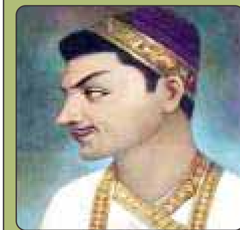

محمد قلی قطب شاہ
پ : 14 اپریل 1565
و : 10 دسمبر 1611

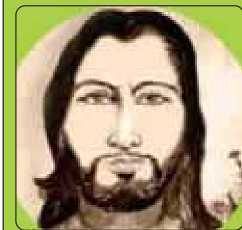

سراج اورنگ آبادی
پ : 6 اپریل 1712
و: 1764

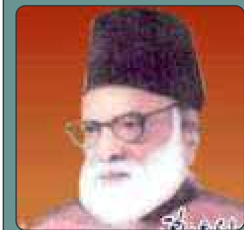

مولوی عبدالحق
پ : 20 اپریل 1870
و: 16 اگست 1961

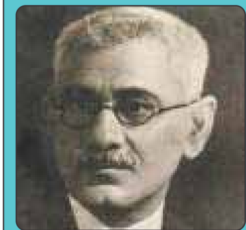

فرحت اللہ بیگ
پ : 27 اپریل 1883
و: 1947

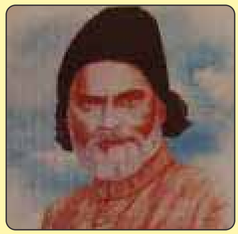

جگر مراد آبادی
پ : 16 اپریل 1890
و : 9 ستمبر 1960

سجاد حیدر یلدرم
پ : 1 اپریل 1880
و: 1943

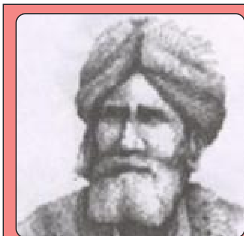

مولوی ذکاء اللہ
پ : 20 اپریل 1832
و : 7 نومبر 1910 دہلی

آغا حشر کاشمیری
پ : 4 اپریل 1879
و : 28 اپریل 1935

احتشام حسین
پ : 21 اپریل 1912
و : یکم دسمبر 1972

ابن صفی
پ : یکم اپریل 1928
و : 26 جولائی 1980

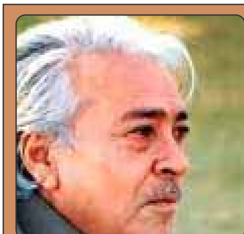

منیر نیازی
پ : 9 اپریل 1928
و : 26 دسمبر 2006

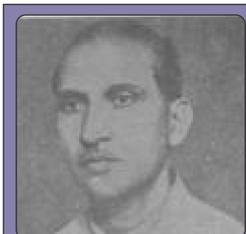

میکش اکبر آبادی
پ : 25 اپریل 1902
و: 1981

ہنسی کے غبارے

ایک مصنف نے اپنے دوست کو اپنی نئی کتاب بھیجی۔ کتاب ملنے پر دوست نے ٹیلی گرام دیا۔ کتاب شاہکار تصنیف ہے۔ یہ کتاب آپ نے کن صاحب سے لکھوائی ہے۔

مصنف نے فوراً بذریعہ ٹیلی گرام جواب دیا۔ کتاب پسند کرنے کا شکریہ۔ یہ کتاب آپ نے کن صاحب سے پڑھوائی ہے؟

ایک جیب کترے کو ایک کار والے نے لفٹ دی۔ باتوں باتوں میں جب اسے یہ پتہ چلا کہ وہ جیب کترا ہے تو گھبرا کر انھوں نے گاڑی کا ایکسیڈنٹ کر دیا۔ پولس والا آیا اور اس نے گاڑی اور لائسنس کا نمبر لے لیا۔

کار والے نے کہا تمھیں لفٹ دے کر میں کتنی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔ انسپکٹر نے ڈائری میں نوٹ کر لیا ہے۔ اب فلاں دن مجھے کورٹ میں پیش ہونا پڑے گا۔ جیب کترے نے کہا کوئی ضرورت نہیں یہ لیجیے ڈائری جس میں پولس والے نے آپ کی گاڑی کا نمبر وغیرہ نوٹ کیا ہے۔

ایک عیسائی مبلغ (مذہب کی تبلیغ کرنے والا) افریقہ کے سفر پر تھا۔ ایک آدم خور گاؤں میں پہنچا اور سردار سے مترجم کی مدد سے باتیں کرنے لگا۔ سردار سے پوچھا: ''کیا کبھی دین و مذہب کا ذائقہ بھی چکھا ہے۔ کیوں نہیں۔'' سردار نے جواب دیا۔ گذشتہ ہفتے ایک پادری پکا کر کھایا تھا کافی مزے دار تھا۔

جوتا بنانے والے نے نئی نئی دکان کھولی تو اکبر الہ آبادی کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: حضرت میں نے جوتوں کی دکان کھولی ہے۔ کوئی شعر عطا فرمایئے۔ اکبر الہ آبادی نے فوراً یہ شعر لکھ کر دے دیا:

شو میکری کی کھولی ہے ہم نے دکان آج
روٹی کو ہم کمائیں گے جوتوں کے زور سے

افغانستان سے نادر خاں لاہور آئے تو علامہ اقبال کو دیکھ کر تعجب سے کہا: کیا آپ اقبال ہیں؟ میرا خیال تو تھا کہ آپ ایک لمبی داڑھی والے بزرگ صورت انسان ہوں گے۔ اقبال نے جواب میں فرمایا: آپ سے زیادہ حیرت زدہ تو میں ہوں، میرا تو خیال یہ تھا کہ آپ جرنیل ہیں ضرور دیوہیکل ہوں گے، مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ تو انتہائی دبلے پتلے انسان ہیں۔ آپ میں جرنیل والی تو کوئی بات نہیں ہے۔

■ تطھین

سچی اولاد

ایک کسان تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ سب ایک ساتھ رہا کرتے تھے۔ ایک دن کسان کا ایک بہت ہی پرانا دوست ایک مدت کے بعد اس سے ملنے کو آیا۔ دونوں دوست ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ مدتوں بعد ایک دوسرے کے گلے ملے۔ ایک دوسرے کا حال احوال پوچھا۔ پھر آپس میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ باتو ں کے دوران کسان نے اپنے دوست سے اس کی شادی کا ذکر کیا۔ اس کے دوست نے کہا کہ ایک مدت ہوئی اس کی شادی ہوچکی ہے اور اس کی ایک لڑکی بھی ہے۔ اس کی بھی شادی ہوچکی ہے اور اب وہ اپنے سسرال میں خوش حال زندگی بسر کررہی ہے۔

پھر اس کے دوست نے کسان سے اس کی شادی کے متعلق پوچھا۔ کسان نے کہا کہ اس کی شادی کو بھی ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے اور اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔ کسان کا ایک دوست جو وہاں بیٹھا ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا اپنے دوست کی باتیں سن کر وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے اپنے دوست کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا کہ وہ یہ کیا کہہ رہا ہے! اس کے ایک نہیں دو بیٹے اور بھی ہیں۔ کسان نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا کہ وہ کوئی غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا ہے بلکہ جو حقیقت ہے وہی کہہ رہا ہے۔ پھر وہ اپنے دوست سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ اگر اس کی باتوں پر یقین نہیں آرہا ہے تو وہ خود ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ پھر اس نے اپنے بڑے بیٹے کو آواز دی جو اس وقت اپنے کمرے میں بیٹھا اپنی بیوی کے ساتھ باتیں کررہا تھا

کہا کہ گھر مہمان آئے ہیں ان کے لیے وہ کچھ ناشتہ پانی کا انتظام کرے۔ بڑے بیٹے نے کمرے کے اندر ہی سے جواب دیتے ہوئے کہا اور اس وقت اسے فرصت نہیں ہے۔ وہ ایک ضروری کام میں لگا ہوا ہے۔ وہ اس کے منجھلے بھائی سے کہے کہ وہ مہمان کے لیے ناشتہ پانی کا بندوبست کرے۔

اب کسان نے اپنے منجھلے بیٹے کو آواز دی اور اس سے بھی مہمان کے لیے ناشتہ پانی کے انتظام کرنے کی بات کہی۔ منجھلا بیٹا جو اس وقت کام سے گھر لوٹا تھا اور اپنے کمرے میں پڑا آرام کر رہا تھ کہنے لگا کہ وہ اس وقت بہت تھکا ہوا ہے اور آرام کر رہا ہے وہ اس کے چھوٹے بھائی سے کہے کہ وہ اس کا انتظام کرے۔

اب کسان نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو آواز دی اور اس سے بھی مہمان کی خاطر داری کی بات کہی۔ چھوٹا بیٹا جو ابھی ابھی سارے دن کی کڑی محنت کے بعد کھیت سے گھر لوٹا تھا اور تھک کر چور تھا لیکن اُس نے ذرا بھی دیر لگائے اپنے باپ کا حکم بجا لایا اور فوراً ناشتہ وغیرہ لے کر مہمان کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اس کے جانے کے بعد کسان نے اپنے دوست سے مخاطب ہو کر کہا ’’اب تو تمھیں میری باتوں پر یقین آ گیا ہوگا کہ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔‘‘

یہ دیکھ کر اس کے دوست نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

’’تم نے بات سولہ آنے ٹھیک کہی ہے۔ تمھارا ایک ہی بیٹا ہے۔ سچ تو یہی ہے کہ سچی اولاد وہ ہوتی ہے جو ماں باپ کا حکم سر آنکھوں پر رکھتی ہے اور ہر حال میں ان کا حکم بجا لاتی ہو۔‘‘

ماں باپ کی فرمانبرداری اور ان کے حکم کی تعمیل کرنا اولاد کا اوّلین فرض ہوتا ہے۔

■

Tazheen Khatal Ahmad Bidikar
Urdu High School Khanapur, Taluk: Khanapur, Dist.: Belgaum, State: Karnataka

حمیرہ صدیقہ ضیاء الحق، درجہ ہفتم، ضلع پریشد اردو پرائمری گرلز اسکول

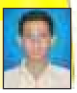

عادل خان افسر خان، درجہ ہفتم، ضلع پریشد اردو مڈل اسکول، اکولہ

شاہین بی شیخ الیاس، درجہ ہشتم
الحسنات اردو ہائی اسکول، رسلپور، تعلقہ راویر

ابوبکر خدیجۃ الکبریٰ، درجہ چہارم، وژڈم اسکول، پرنامبٹ، ضلع ویلور، تمل ناڈو

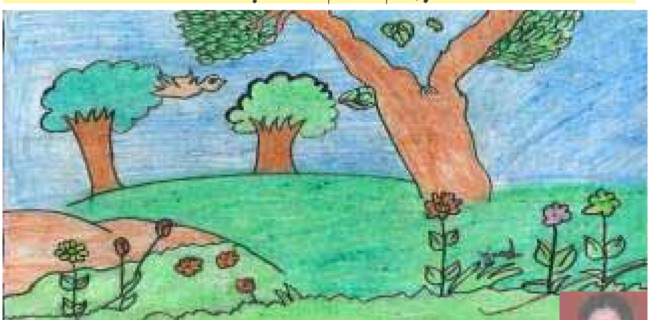

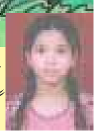

نازش پروین بنت نظیر احمد، درجہ ہفتم
گرلس سینئر سیکنڈری اسکول پٹودی ہاؤس، کلاں محل دریا گنج، دہلی 2

علینہ بی اسلم، درجہ ہشتم، الحسنات اردو ہائی اسکول
رسلپور، تعلقہ، راویر، ضلع جلگاؤں

محمد سفیان ساگر شیخ بلال ساگر
رحمانیہ ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج ہیراپورہ گیٹ اچل پورسٹی، امراوتی، مہاراشٹر

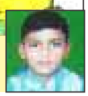

محمد ذیشان، شیخ حمید، درجہ ہشتم، الحسنات اردو ہائی اسکول

سائنہ بانو شیخ نوازالدین، درجہ ششم، ضلع پریشد اردو، گرلز اسکول

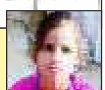

رابعہ، درجہ پنجم، گورنمنٹ گرلز مڈل اسکول، باری برہمنا، جموں وکشمیر

Facebook اردو فیس بک

❑ میرا نام خان ادیبہ انجم ہے۔ میں نویں جماعت میں پڑھتی ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے۔ اس رسالے سے پہلا سابقہ یوں ہوا کہ میری ٹیچر نے اسے خریدنے کا مشورہ دیا اور میں نے دیکھا کہ اتنی خوبصورت میگزین اور رنگین صفحات میں نے سوچا زیادہ قیمت ہوگی مگر صرف 10 روپے۔ میں تو چونک گئی۔ میں ہر مہینے بچوں کی دنیا کا مطالعہ کرتی ہوں۔ مجھے الٹا درخت، نظمیں اور کہانیاں بہت پسند آتی ہیں۔

خان ادیبہ انجم عبیداللہ خانصاحب، الامین بھائی اسول، اودگیر، مہاراشٹر

❑ ماہنامہ بچوں کی دنیا پڑھنے کے بعد ہمیں بے پناہ مسرت ہوتی ہے کہ اسے سجانے اور سنوارنے میں آپ جس طرح سے محنت اور جانفشانی سے کام لے رہے ہیں وہ یقیناً لائق مبارکباد ہے۔ بظاہر رسالہ بچوں کے نام موسوم ہے لیکن بچوں سے کہیں زیادہ نوجوان اور بزرگوں کے لیے کارآمد ہے۔

ہم رونق مدینہ گروپ مالیگاؤں کی جانب سے آپ تمام ہی ادارے والوں کو مبارکباد دیتے ہیں۔

انصاری محمد تنویر اشرف، عباس نگر، مالیگاؤں، ناسک

❑ میرا نام عرشیہ ہے۔ میں درجہ چہارم میں پڑھتی ہوں۔ میری پوری کلاس 'بچوں کی دنیا' بہت شوق سے پڑھتی ہے ہمارے کلاس ٹیچر ہر ماہ ہمیں بچوں کی دنیا لاکر دیتے ہیں۔

عرشیہ، چوتھی کلاس، گورنمنٹ اردو پرائمری اسکول شاہ پور، برہان شریف

❑ میرا نام شاہینہ بنت غلام ہے۔ میں درجہ چہارم کی طالبہ ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' پڑھنا بہت پسند ہے۔

شاہینہ بنت غلام، چوتھی کلاس، گورنمنٹ اردو پرائمری اسکول شاہ پور، برہان شریف

❑ میرا نام محمد سیف الدین عطاری ہے اور مومن پورہ ناگپور کے تاج بابا اسکول میں زیر تعلیم ہوں میرا تخلص سیف ہے اور پچھلے دو سال سے شعر لکھنے کی ادنی کوشش کی ہے۔ بچوں کی دنیا بہت اچھا رسالہ ہے۔

محمد سیف الدین عطاری، مومن پورہ، ناگپور

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

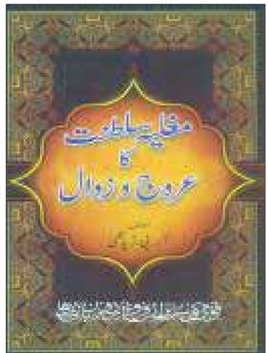

صفحات:543، قیمت:242 روپے

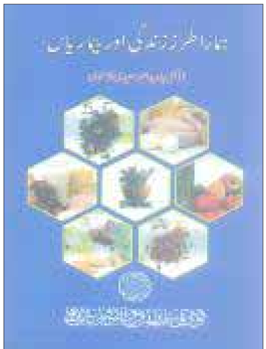
صفحات:42، قیمت:69 روپے

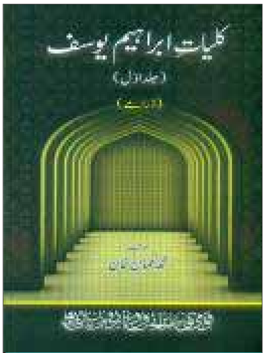

صفحات:2273، قیمت:613 روپے

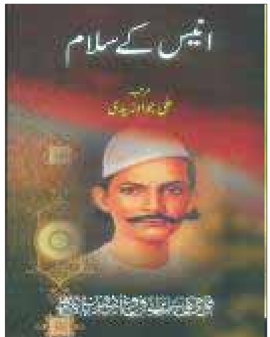

صفحات: 307، قیمت: 113 روپے

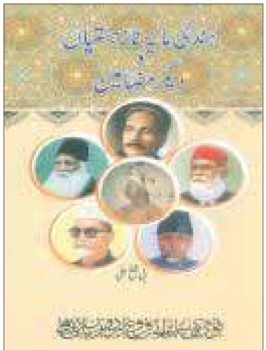
صفحات: 176، قیمت: 35 روپے

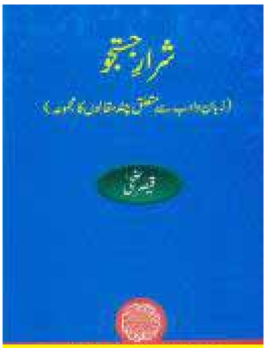

صفحات:125، قیمت: 80 روپے

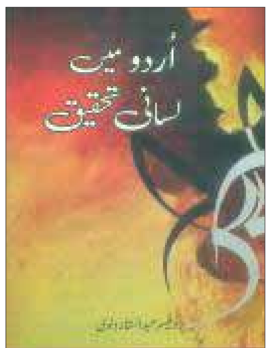

صفحات:433، قیمت: 193 روپے

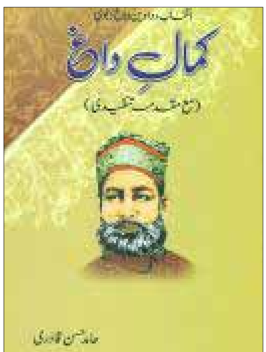

صفحات:230 قیمت: 177 روپے

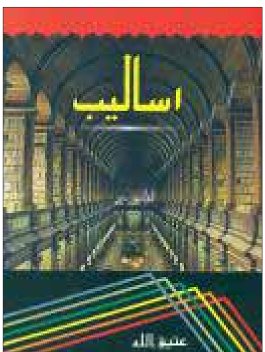

صفحات: 376، قیمت:166روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی - 110066
فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, April 2016, Vol. 04, Issue: 4
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/03/16
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

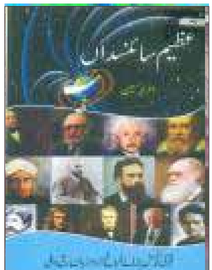

صفحات: 83، قیمت: 15 روپے

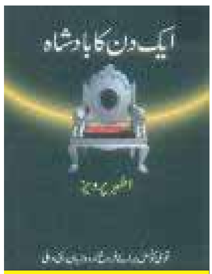

صفحات 151، قیمت: 12 روپے

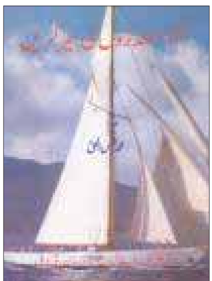

صفحات:183، قیمت: 20 روپے

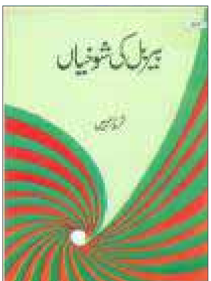

صفحات:64، قیمت:40 روپے

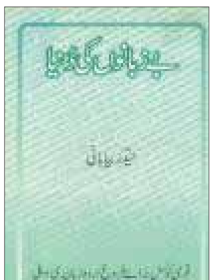

صفحات 128، قیمت: 29 روپے

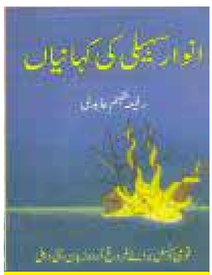

صفحات: 183، قیمت: 23 روپے

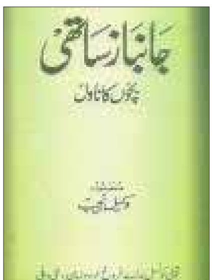

صفحات:200، قیمت: 42 روپے

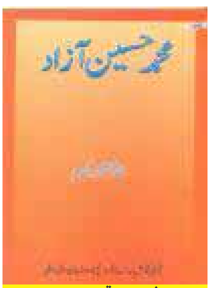

صفحات: 79، قیمت: 14 روپے

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.